دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۹۱ | جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ مطابق جون ۲۰۰۷ء | شمارہ: ۶

نگراں
حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

ہندوستان سے فی شمارہ -/۱۰ روپے، سالانہ -/۱۰۰ روپے
سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۶۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۱۲۵ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۱۵۰ روپے

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Mob. : 09411077577 *(EDITOR)*
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

R. N. I. No. 2133/57

DARUL ULOOM Monthly (Urdu) Printed, Published by Maulana Marghubur Rahman,
Owned by Darul Uloom Grush. Published From Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at Darul Uloom Printing Press Deoband, Saharanpur
Editor : Maulana Habibur Rahman Azmi

فہرست مضامین

صفحہ	نگارش نگار	نگارش	نمبر شمار
۳	حبیب الرحمٰن اعظمی	حرفِ آغاز	۱
۷	عمر فاروق لوہاروی (لندن)	کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی ہوں گے؟	۲
۱۴	مولانا شوکت علی قاسمی بستوی	دار العلوم دیو بند کا نصاب تعلیم اور نظام تعلیم و تربیت	۳
۲۸	مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب	افتتاحیہ اجلاس شم مجلس عاملہ رابطہ مدارس…	۴
۳۲	مولانا سعید احمد جلال پوری	قادیانیت کا مکروہ چہرہ!	۵
۴۴	محمد شمیم اختر قاسمی	سلاطین ہند کے عہد میں غیر مسلموں کی شرعی حیثیت	۶
۴۹	ڈاکٹر اجمل فاروقی	نو فیصد شرح ترقی - نٹھاری - نوئیڈا اور…	۷
۵۶	…..	حیدرآباد کی مکہ مسجد میں بم دھماکہ	۸

ختم خریداری کی اطلاع

- ○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

وطن عزیز کو سامراج کے پنجۂ استبداد سے رہائی دلانے والے ملک کے معماروں نے جب آزاد ہندوستان کا آئین وضع کیا تو بلا امتیاز ذات ونسل اور زبان ومذہب ملک میں بسنے والی ساری اکائیوں کے زندگی سے متعلق جملہ حقوق کا بھرپور تحفظ کیا اور مذہب، زبان، نسل کی بنیاد پر کسی طرح کے فرق کو روا نہیں رکھا جس سے ان کی وسعت قلبی، فکرونظر کی بلندی اور ملک وقوم کے حق میں بے لوث جذبۂ اخلاص ومحبت کا پتہ چلتا ہے۔

لیکن انھیں کے پیرو اور نام لیوا جب مسند اقتدار پر براجمان ہوئے تو اپنی تنگ نظری اور تنگ ظرفی کی بناء پر دستور کے تحفظات کو نظر انداز کردیا ہمارے ملک کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ آج تک کی ساری قومی حکومتیں ملک کی اقلیتوں بالخصوص مسلم اقلیت (جو صحیح معنوں میں دوسری اکثریت ہیں) کے ساتھ نہ صرف امتیازی سلوک کرتی چلی آرہی ہیں بلکہ ان کی زندگی کی راہوں میں اڑچنیں پیدا کرتی رہی ہیں۔ ملک کے اقتدار پر قابض اس گروہ کی غفلت شعاریوں بلکہ قانون وانصاف سے عاری اس ظالمانہ رویہ کو خود حکومت کی قائم کردہ سچر کمیٹی نے اس طرح طشت ازبام کردیا ہے کہ اسے کسی حیلہ وتدبیر سے چھپایا نہیں جاسکتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اس جمہوری سیکولر ملک میں اپنے مذہب، زبان، کلچر اور تہذیب وثقافت کی حفاظت کے لیے اپنے ادارے قائم کرنا ملک کے ہر باشندہ کا دستوری حق ہے۔ اپنے اسی حق کی بنیاد پر مسلمانوں نے اپنے مدارس اور مذہبی ادارے قائم کررکھے ہیں مگر ہماری قومی حکومتیں ان مدارس کو نگاہ غلط انداز سے دیکھنے کی عادی ہوگئی ہیں اور مسلمانوں سے ان کے اس آئینی حق کو چھین لینے کے لیے ہر طرح کی خلاف قانون اور ناجائز تدبیریں کرتی رہتی ہیں۔ انھیں تدبیروں میں

ایک نئی تدبیر ''مرکزی مدرسہ بورڈ'' کے نام سے ''مرکزی وزارت تعلیم وفروغ انسانی وسائل'' کی جانب سے کی جارہی ہے۔

اب تک جھوٹ، فریب، جبر، ظلم اور خلاف قانون وآئین فیصلوں کے ذریعہ ان مدارس پر قدغن لگانے اور انھیں بے جان بنادینے کی ناکام کوششیں کی جاتی رہی ہیں مگر اب شاطران سیاست نے سیم وزر کی لالچ کے اسلحہ سے مدارس پر شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ یہ ایک ایسا دام ہم رنگ زمیں ہے جس کا صحیح ادراک بادی النظر میں نہیں ہوگا اس لئے خدانخواستہ اگر مدارس اس میں پھنس گئے تو پھر کبھی اس جال سے آزاد نہیں ہوسکیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دین ومذہب کے یہ سرچشمے ہمیشہ کے لیے خشک ہوجائیں گے اور اس کے بعد ملت اسلامیہ ہند کا انجام کیا ہوگا اس کے تصور سے روح ایمانی تھرّا جاتی ہے۔

وقت کا تقاضا تھا کہ ''مرکزی مدرسہ بورڈ'' اور اس کے مالی وظائف کے پردے میں چھپی تباہ کاریوں کو پورے طور پر برہنہ کیا جائے تاکہ اصل مدارس اس سے اپنے دامن کو بچائے رکھیں۔ چنانچہ اسی تقاضا کے تحت دارالعلوم دیوبند نے طے کیا کہ اوّل وہلہ میں ایک مختصر نمائندہ اجلاس بلایا جائے اس تجویز کے تحت ۱۳/۱۴/مئی کو دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر یہ اجلاس انعقاد پذیر ہوا۔ جس میں ملک کی ساری ریاستوں سے تین ہزار مدارس کے تقریباً ساڑھے تین ہزار نمایندے شریک ہوئے۔ اگر دعوت نامہ کے اجراء میں مزید توسع اختیار کیا گیا ہوتا تو مجمع اس سے کئی گنا زیادہ ہوتا۔ علاوہ ازیں ملک کی اہم مسلم تنظیموں کے ذمہ دار حضرات نے بھی دارالعلوم دیوبند کے ساتھ اس مسئلہ میں یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اجلاس میں شرکت کی اور دارالعلوم کے موقف کی مکمل تائید وتصویب کی بالخصوص اس موقع پر حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قدس سرہ کے جانشین وخلف الصدق حضرت مولانا محمد سالم صاحب کی تشریف آوری اور دارالعلوم دیوبند کے اسٹیج سے ان کے خطاب نے شرکائے اجلاس کے اندر ایک تازہ زندگی پیدا کردی۔

اپنی پیرانہ سالی اور عوارض کے ہجوم کے باوجود حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم اجلاس کے ہر چھوٹے بڑے امور کی نگرانی خود کررہے تھے۔ آپ کا خطبہ صدارت بڑا فکر انگیز اور اپنے موضوع پر اس قدر جامع تھا کہ بجا طور پر اسے ایک دستاویز کہا جاسکتا ہے۔ بعد میں جس قدر تقریریں ہوئیں کہنا چاہئے کہ اسی خطبہ کی توضیح وتشریح اور تائید وتصویب سے متعلق رہیں۔

ایک خاص بات جو اجلاس میں محسوس کی گئی وہ یہ تھی کہ مدارس کے حق میں سرکاری مرکزی

مدرسہ بورڈ کی مضرت پر گویا کہ تمام شرکاء کو شرح صدر ہوگیا تھا کیونکہ اس سلسلے میں کسی نے کوئی ادنیٰ شبہ بھی پیش نہیں کیا جسے تائید غیبی ہی کہا جائے گا۔ نیز اس طرح کے اجلاسوں میں عام طور پر جوش و خروش کا مظاہرہ ہوتا ہے اس اجلاس میں جوش پر ہوش غالب تھا اور مقررین حضرات نے بڑے پر وقار انداز میں زیر مسئلہ پر غور وفکر کی دعوت دی اور اس کے نتائج سے آگاہ کیا۔

آخری اجلاس میں تجاویز پیش ہوئیں جو بغیر کسی ترمیم و تنسیخ کے متفقہ طور پر منظور کرلی گئیں۔ اس طرح ملک کے مقتدر علماء کا اتفاق ہوگیا کہ یہ سرکاری مدرسہ بورڈ مدارس دینیہ کے لئے قطعی طور پر مفید نہیں بلکہ انتہائی نقصان دہ اور مضرت رساں ہے جس سے پرہیز اور اجتناب ہی میں مدارس کے لیے خیر وفلاح ہے۔ ذیل میں مرکزی مدرسہ بورڈ سے متعلق منظور شدہ تجویز کا متن پیش کیا جارہا ہے۔ بقیہ تجاویز مفصل رپورٹ کے ضمن میں ملاحظہ سے گذرے گی۔ انشاء اللہ

تجویز

مرکزی مدرسہ بورڈ کی تجویز، مدارس اسلامیہ کی حقیقی روح پر سنگین حملہ

ہندوستان کے مدارس اسلامیہ عربیہ کا کل ہند اجلاس عام، مرکزی حکومت کی جانب سے مدرسہ بورڈ قائم کئے جانے کی تجویز کو حد درجہ تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے، اور نہایت قوت وصراحت کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ یہ تجویز، مدارس اسلامیہ کے بنیادی مقاصد کے منافی اور ان کی تعلیمی سمت سفر کو بدلنے اور فکری آزادی پر قدغن لگانے کی ایک خطرناک کوشش ہے، جسے قبول نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ مدارس کا نصب العین، فروغ دین، تحفظ قرآن وسنت، اشاعت علوم دینیہ اور ایسے مخلص رجال کار تیار کرنا ہے، جو اگلی نسلوں تک اس عظیم امانت کو منتقل کرسکیں۔

ظاہر ہے کہ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے وہی طریقۂ کار مفید و کارآمد ہوسکتا ہے جو اسلاف سے وراثتاً ہمیں ملا ہے اور صدیوں کا آزمودہ ہے جس کے تحت مدارس اسلامیہ اس سیکولر ملک میں تحفظ علوم دین کی عظیم خدمت انجام دینے کے ساتھ ایسے تاریخ ساز مردان کار تیار کرنے میں کامیاب رہے ہیں جنھوں نے نہ صرف ملت اسلامیہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا بلکہ امن پسند، ایماندار، فرض شناس اور محبّ وطن شہری کی حیثیت سے تمام ہی اہل وطن کے لئے مشعل راہ کا

کردارادا کیا۔

اس لئے یہ ملک گیر اجلاس محسوس کرتا ہے کہ مدارس اسلامیہ کو اپنے مذکورہ مقاصد عالیہ کے حصول کے لیے، پہلے سے زیادہ اپنے اکابر کے منہاج پر استقامت کے ساتھ سرگرم عمل ہوجانا چاہئے اوران پر لازم ہے کہ وہ مدرسہ بورڈ اوراس قسم کی ہرایسی کوشش کو مسترد کردیں جس کا مقصد ان کوعلم وعرفان کی کارگاہوں کے بجائے روزی روٹی مہیا کرنے والے کارخانوں میں تبدیل کرکے معنوی موت سے ہمکنار کرنا ہے۔

اسی کے ساتھ مدارس کا یہ عظیم اجتماع مرکزی حکومت سے اپیل کرتا ہے کہ وہ مذہبی تعلیم وتبلیغ سے متعلق، اقلیتوں کو دستور میں دئے گئے حقوق کا صحیح معنوں میں احترام کرے اوراس تجویز کو واپس لےکر اپنے سیکولر پسند وجمہوریت نواز ہونے کا عملی ثبوت دے اور مدارس اسلامیہ کو اپنا نام نہاد مالی تحفہ دینے کے بجائے سچر کمیٹی کی رپورٹ کی روشنی میں اقلیتوں کے ان لاکھوں بچوں کی تعلیم کا انتظام کرے جو ہرقسم کی تعلیم سے محروم ہیں نیز اقلیتوں کے عصری تعلیمی اداروں کو مزید مستحکم وفعال بنانے کی جانب خصوصی توجہ دے اورجن مقامات میں اس قسم کے ادارے نہیں ہیں وہاں نئے ادارے قائم کرے نیز مسلمانوں کی پسماندگی دورکرنے کے لئے ضروری اقدامات کرے۔

مدارس دینیہ کا یہ عظیم ملک گیر اجتماع یہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی بھی ایسی صورت مدارس کے لیے ناقابل برداشت ہوگی، جس سے ان مدارس کی خودمختار حیثیت اورآزادی مجروح ہو، اور صدیوں کے آزمودہ طریقۂ کار میں رخنہ پڑے کیوں کہ ایسی کوئی بھی مداخلت آگے چل کر مدارس کوان کے اصل دینی مقاصد سے ہٹادے گی اوران کی تعلیمی روح اورڈھانچہ کو درہم برہم کردے گی،ان وجوہ سے یہ اجتماع مرکزی مدرسہ بورڈ کی تجویز کو مسترد کرتا ہے۔

❀ ❀ ❀

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی ہوں گے؟

از: عمر فاروق لوہاروی (لندن)

امت محمدیہ کا اس بات پر اجماع ہے، کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرب قیامت میں باوصف نبوت تشریف لائیں گے، تو اپنی شریعت پر عمل نہیں کریں گے، بلکہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر عمل کریں گے۔ اور یہ مضمون کئی روایات میں نصاً یا اشارتاً بیان ہوا ہے، ان روایات کی تخریج امام احمد، امام بزار، امام طبرانی، امام بیہقی، امام ابوحاتم ابن حبان بستی اور حافظ ابن العساکر جیسے حضرات محدثین رحمہم اللہ نے اپنی اپنی کتابوں میں کی ہے۔

اب سوال یہ ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریعت محمدیہ کا علم کس طرح ہوگا؟ کیا آپ ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کی تقلید کریں گے، اور ان کے مسلک کے مطابق فیصلے کریں گے؟

اس سلسلے میں بعض حضرات حنفیہ کہتے ہیں، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کریں گے، فقہ حنفی پر عمل کریں گے، اور اسی کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔

لیکن یہ قول بے بنیاد ہے۔ اور اس میں ایک جلیل القدر پیغمبر کی تنقیص ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے امت کو خود اپنے بارے میں ایسے انداز سے مدح ومنقبت بیان کرنے سے تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے، جس سے کسی دوسرے نبی کی تنقیص لازم آتی ہو، تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب ومحاسن بیان کرتے ہوئے ایسی مبالغہ آرائی کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے، جو کسی جلیل القدر نبی اور رسول کی تنقیص کو مستلزم ہو؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا علم وعمل اور فضل وکمال مسلَّم ہے، لیکن پیغمبر بالآخر پیغمبر ہے، اس لیے اس ناقابلِ انکار حقیقت کو بھی تسلیم کرنا ہوگا، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام علم وفضل میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے یقیناً بڑھے ہوئے ہیں۔

علامہ محمد علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد فقہ حنفی کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔ چنانچہ حضرت موصوف حضرت امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب بیان کرتے ہوئے ''الدر المختار'' میں تحریر فرماتے ہیں:

وحسبك من مناقبه اشتهار مذهبه ما قال قولاً الّا اخذ به امام من الائمة الأعلام وقد جعل الله الحكم لاصحابه وأتباعه من زمنه الى هذه الايام الى ان يحكم بمذهبه عيسىٰ عليه السلام. (الدر المختار مع رد المحتار، ص:۴۲، ج:۱)

''اے مخاطب! تجھے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب میں سے آپ کے مذہب کا مشہور ہونا کافی ہے۔ آپ نے جو بھی بات ارشاد فرمائی، اس کو (آپ کے اصحاب میں سے) ائمہ اعلام میں سے کسی نہ کسی امام نے اختیار کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اصحاب اور متبعین کیلئے آپ کے زمانے سے تادمِ ایں تحریر عہدۂ قضا کو مقرر فرمایا، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے مذہب کے مطابق فیصلے فرمائیں گے۔''

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وكأنه اخذه مما ذكره اهل الكشف ان مذهبه آخر المذاهب انقطاعاً... لكن لا دليل في ذلك على ان نبي الله عيسىٰ على نبينا وعليه الصلاة والسلام يحكم بمذهب ابي حنيفة وان كان العلماء موجودين في زمنه فلا بد له من دليل. (رد المحتار على الدر المختار، ص:۴۲، ج:۱)

''گویا صاحب الدر المختار نے اس مضمون کو اہلِ کشف کی اس بات سے مستنبط کیا ہے، کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب دیگر مذاہب کے مقابلے میں سب سے آخر میں ختم ہوگا... لیکن اس میں اس امر پر کوئی دلیل نہیں ہے، کہ نبی اللہ عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق فیصلے فرمائیں گے، اگرچہ علماء ان کے زمانے میں موجود ہوں گے، پس اس امر کے اثبات کے لیے دلیل درکار ہے۔''

درحقیقت علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے قہستانی کے اتباع میں اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اور قہستانی کے متعلق علامہ عبدالحیٔ فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ شامی رحمہ اللہ کی کتاب ''تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ'' کے حوالہ سے لکھا ہے:

والقهستاني كجارف سيل وحاطب ليل خصوصا واستفاده الى كتب الزاهدي المعتزلي. (مقدمہ عمدۃ الرعایہ، ص:۱۱)

''قہستانی سیلاب میں بہہ جانے والے اور اندھیرے میں لکڑی جمع کرنے والے ہیں،

بالخصوص وہ جس وقت زاہد معتزلی کی کتابوں سے کسی بات کو لیتے ہیں۔‘‘

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لقد صدق عصام الدين فى حق القهستانى انه لم يكن من تلامذة شيخ الاسلام لا مِن اعاليهم و لا مِن ادانيهم انما كان دلّال الكتب فى زمانه و لا كان يعرف بالفقه وغيره بين اقرانه ويؤيده انه يجمع فى شرحه هذا بين الغث والسمين والصحيح والضعيف من غير تحقيق وتدقيق فهو كحاطب ليل الجامع بين الرطب واليابس فى الليل . (مقدمہ عمدۃ الرعایہ،ص:۱۱ بحوالہ شم العوارض فی ذم الروافض)

’’عصام الدین نے قہستانی کے متعلق بالکل درست فرمایا ہے، کہ وہ شیخ الاسلام (الہروی) کے نہ بڑے شاگردوں میں تھے نہ چھوٹے؛ بلکہ وہ اپنے وقت میں کتابوں کے ایجنٹ تھے، اوران کی اپنے ہم عصر علماء کے درمیان علمِ فقہ یا کسی دوسرے علم میں شہرت نہ تھی۔عصام الدین کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے، کہ قہستانی اس کتاب شرح مختصر الوقایہ (یعنی جامع الرموز) میں بے سوچے سمجھے غلط اور صحیح، بیکار اور درست ہر طرح کی باتیں جمع کرلیتے ہیں، وہ تو ایسے ہیں جیسے اندھیرے میں لکڑی چننے والا، جو خشک وتر میں تمیز نہیں کرپاتا ہے۔‘‘

’’انیس الجلساء‘‘ کے حوالہ سے صاحبِ نبراس نے اس سلسلے کا ایک خُرافہ نقل کرکے اس کی زوردار تردید کی ہے۔موصوف فرماتے ہیں:

تعجب خیز باتوں میں سے ایک بات وہ ہے، جو بعض منسوب الی العلم نے ایک کتاب میں ذکر کی ہے،جس کا نام ’’انیس الجلساء‘‘ رکھا ہے، کہ حضرت خضر روزانہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے پاس تشریف لے جاتے تھے،اورآپ سے علومِ شریعت حاصل کرتے تھے۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا پانچ سال کے بعد انتقال ہوگیا،تو حضرت خضر علیہ السلام امام صاحب کی قبر پر جانے لگے اورآپ سے علم حاصل کرنے لگے، یہاں تک کہ دوسرے پچیس سال میں مکمل علومِ شریعت کو حاصل کرلیا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو حکم فرمایا، کہ وہ امام ابوالقاسم قشیری کے پاس جائیں،اورامام ابوحنیفہ سے حاصل کردہ علوم ان کو سکھائیں۔تو حضرت خضر نے تیس سال میں جو کچھ حاصل کیا تھا، وہ ان کو تیس سال میں سکھا دیا۔اس لیے قشیری علم وکرامات میں یگانۂ روزگار ہوگئے۔انھوں نے ایک ہزار کتابیں تصنیف کیں اوران کو ایک صندوق میں رکھا،اوراپنے شاگرد کو حکم دیا، کہ وہ اس صندوق کو دریائے جیحوں میں ڈال دے۔شاگرد نے تعمیلِ حکم کی۔اس نے

دیکھا کہ پانی شق ہوا، اوراس سے صندوق لینے کے لیے ایک ہات نمودار ہوا۔ شاگرد نے شیخ ابوالقاسم سے اس معمہ کے بارے میں دریافت کیا، تو انھوں نے فرمایا، کہ جب حضرت عیسیٰ بن مریمؑ آسمان سے نزول فرمائیں گے، تو کُتبِ شریعتِ محمدیہ کو تلاش کریں گے اور انہیں نہیں پائیں گے، تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوکر عرض کریں گے، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے، کہ آپ دریائے جیحوں پر تشریف لے جائیں اور وہاں دوگانہ ادا کرکے کہیں: کہ اے صندوق کے امین! میں عیسیٰ ہوں، مجھے صندوق دے دے۔ تو وہ صندوق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سپرد کردے گا، اور آپ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر عمل کریں گے۔ صاحب نبراس فرماتے ہیں کہ یہ بڑا بہتان ہے۔ اور کوئی عقلمند آدمی اس بات میں شک نہیں کرے گا، کہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) مجتہدین سے کم درجہ نہیں ہوں گے۔'' (النبراس، ص:۲۸۰)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''المشرب الوردی فی مذهب المهدی'' میں جہاں اس بات کی تردید کی ہے، کہ حضرت مہدی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کریں گے، وہیں مذکورہ بالا بے بنیاد قصہ کی تردید کی ہے، اور لکھا ہے، کہ اس واقعہ کو نقل کرنا بھی جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ اس کا ابطال وتردید مقصود ہو۔

پھر جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی نہیں ہوں گے، اسی طرح شافعی، مالکی یا حنبلی مسلک کے پیروکار بھی نہ ہوں گے۔ گویا ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کے مقلد نہیں ہوں گے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كيف يظن بنبيّ انه يقلد مذهبا من المذاهب، والعلماءِ يقولون: إن المجتهد لا يقلد مجتهدا، فاذا كان المجتهد من آحاد الامه لا يقلد، فكيف يظن بالنبى انه يقلد؟

(الحاوی للفتاویٰ، ص:۱۴۸، ج:۲)

''نبی کے بارے میں کیسے یہ گمان کیا جاسکتا ہے، کہ وہ مذاہب میں سے کسی مذہب کی تقلید کریں گے؛ حالاں کہ علماء فرماتے ہیں کہ ایک مجتہد کسی دوسرے مجتہد کی تقلید نہیں کرسکتا ہے۔ جب مجتہد جو امت کے افراد میں سے ایک فرد ہے، تقلید نہیں کرسکتا، تو پھر نبی کے متعلق کیسے یہ گمان کیا جاسکتا ہے، کہ وہ تقلید کریں گے؟''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مقلد نہیں ہوں گے، تو پھر آپ بعض علماء کے خیال میں مجتہد مطلق ہوں گے، جیسے حضرت مہدی مجتہد مطلق ہوں گے۔ لیکن امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں: کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اجتہاد ہی سے فیصلے فرمائیں گے، یہ متعین نہیں ہے۔ اس کے بعد موصوف نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے شریعتِ محمدیہ کے احکام کی معرفت کے ممکنہ چار طریقے تفصیل کے ساتھ ذکر فرمائے ہیں۔ مختصراً وہ چار طریقے حسب ذیل ہیں:

(۱) ممکن ہے تمام انبیاء علیہ السلام کو اپنے اپنے زمانے میں وحیٔ الٰہی سے سابقہ اور لاحقہ تمام شریعتوں کا علم ہوتا ہو۔ چنانچہ احادیث و آثار میں وارد ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کو محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد کی بشارت دی، اور آپ ﷺ کی شریعت کے کچھ مسائل ذکر فرمائے، جو اپنی شریعت سے الگ تھے۔ اور اسی طرح کی بات حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد علیہما السلام کے لیے بھی واقع ہوئی ہے۔

(۲) یہ بھی ممکن ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام احادیث کی مراجعت کے بغیر محض قرآن مجید کو دیکھ کر شریعت محمدیہ سے متعلق تمام احکام کو سمجھ لیں، جس طرح خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے ان احکام کو قرآن مجید سے سمجھا تھا۔ اس لیے کہ قرآن مجید جمیع احکامِ شرعیہ کو متضمن ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے مخصوص فہم خداداد سے سمجھا، پھر احادیث میں اپنی امت کے لیے اس کی تشریح فرمائی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی ہیں، اس لیے بعید نہیں، کہ رسول اللہ ﷺ کی طرح آپ بھی محض قرآن مجید سے احکامِ شرعیہ کو سمجھ لیں۔

(۳) امام ابونصر تاج الدین سبکی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شمار باوصفِ نبوت رسول اللہ ﷺ کی امت میں ہے، اور آپ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمرہ اور جماعت میں شامل ہیں، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آپ کے ساتھ ایمان اور تصدیق کی حالت میں ملاقات ثابت ہے۔ اسی لیے حافظ ابوعبداللہ الذہبی رحمہ اللہ نے ''تجرید اسماء الصحابۃ'' میں لکھا ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی بھی ہیں اور صحابی بھی۔ اور صحابۂ کرام میں سب سے آخر میں (نزول کے بعد) وفات پانے والے ہیں۔ اس اعتبار سے ممکن ہے، کہ نبی ﷺ سے ملاقات کے وقت آپ سے براہِ راست آپ کی شریعت کے احکام معلوم کیے ہوں۔

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد روحانی طور پر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کریں گے۔ اس لیے ممکن ہے، کہ آپ سے براہِ راست ضرورت کے احکامِ شریعت حاصل کریں۔ اس طرح آپ کو نہ اجتہاد کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ حفّاظِ حدیث میں سے

کسی کی تقلید کی۔

ایک سائل کے سوال کے جواب میں امام سیوطی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا چار ممکنہ طریقے ذکر فرمائے، جن میں چوتھا طریق خود موصوف کی رائے تھی، اس کے بعد اس کی تائید کے طور پر تحریر فرمایا، کہ اس کی ایک مدت کے بعد میں ایک سوال پر مطلع ہوا، جو شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تھا۔ صورت سوال یہ تھی، کہ سیدنا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد "ینزل عیسیٰ بن مریم فی آخر الزمان حکمًا" (حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخری زمانے میں حاکم بن کر نزول فرمائیں گے) کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن عظیم اور ہمارے نبی ﷺ کی احادیث کے حافظ ہوں گے، یا اُس زمانہ کے علماء سے کتاب وسنت کو حاصل کریں گے اور ان میں اجتہاد کریں گے؟ اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟ تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے جواب دیا — اور انھیں کی تحریر سے میں نے نقل کیا — کہ:

لم ینقل لنا فی ذلك شيء صریح، والذی یلیق بمقام عیسیٰ علیه السلام انه یتلقی ذلك عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، فیحکم فی امته بما تلقاه عنه، لانه فی الحقیقة خلیفة عنه ۔ والله اعلم۔ (ترجمہ) "اس سلسلہ میں ہمارے سامنے کوئی صریح چیز منقول نہیں ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے مقام کے شایان شان بات یہ ہے، کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے احکام کو حاصل کریں گے، اور آپ سے حاصل کردہ احکام کے مطابق امتِ محمدیہ میں فیصلے فرمائیں گے، اس لیے کہ آپ حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہوں گے۔ واللہ اعلم (الحاوی للفتاویٰ، ص: ۱۴۸ تا ص: ۱۵۴ و ص: ۱۵۷، ج: ۲)

راقم الحروف کہتا ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو احکامِ شریعت محمدیہ کا علم کس طرح ہوگا؟ اس کے متعلق ایک احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے: ویعلمه الکتب والحکمة والتورٰة والانجیل" (آل عمران: ۴۸) (اور اللہ ان کو کتاب وحکمت اور توراۃ وانجیل کی تعلیم فرمادیں گے) اس میں "الکتٰب" سے قرآن مجید اور "الحکمۃ" سے سنت والی تفسیر مراد لی جائے، اور کہا جائے کہ اہتمامِ شان کے لیے توراۃ وانجیل سے کتاب وحکمت کو لفظاً مقدم کیا گیا ہے۔ گویا نزول کے بعد خود اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب وسنت کی تعلیم فرمادیں گے۔ اور یہ بات اتنی قطعی ہے، کہ قرآن مجید میں دوسرے مقام پر توراۃ وانجیل کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کتاب وحکمت کی تعلیم کو بھی فعل ماضی کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

چنانچہ ارشادِ باری ہے: "واذ علّمتك الكتاب والحكمة والتوراة والانجيل" (المائدہ:۱۱۰) (اور جب کہ میں نے تم کو کتاب وحکمت اور توراۃ وانجیل تعلیم کیں)۔

سطورِ بالا سے یہ بات واضح ہوگئی، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قُربِ قیامت میں نزول کے بعد شریعتِ محمدیہ پر عمل کریں گے، یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے، لیکن قرآن وسنت میں اس بارے میں کوئی تصریح نہیں ہے، کہ آپ کو شریعتِ محمدیہ کا علم کس طرح ہوگا؟ اس سلسلے میں حضرات علماء کرام نے ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کی تقلید کے علاوہ جو طریقے ذکر فرمائے ہیں، وہ سب بدرجۂ امکان واحتمال ہیں، لہٰذا اس کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی ہے۔ جہاں تک معاملہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ائمہ متبوعین میں سے کسی امام کی تقلید کا، تو اس کے لیے جہاں نقل ندارد ہے، وہیں عقلِ صحیح بھی اس کو روا نہیں رکھتی ہے، کیونکہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تنقیص لازم آتی ہے، لہٰذا کشف وغیرہ سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حنفی ہوں گے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے تو حضرت مہدی کے متعلق جنھوں نے لکھا ہے، کہ وہ حنفی ہوں گے، اس کو بھی "غلو" قرار دیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا پورا ملفوظ ہی نظرِ قارئین کردوں۔ "ملفوظاتِ حکیم الامت" میں ہے:

"ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! بعض لوگوں نے یہ مشہور کیا ہے، کہ امام مہدی نقشبندی ہوں گے (حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے) فرمایا کہ یہ تو میں نے نہیں سُنا؛ البتہ بعض حنفیوں نے لکھا ہے کہ وہ حنفی ہوں گے، مگر یہ غلو ہے۔ غالبًا یہ ہوگا کہ امام مہدی کا اجتہاد امام صاحب کے اجتہاد پر منطبق ہوجائے گا۔ باتیں دعوے کی دل کو نہیں لگتیں، اس میں تو ایک گونہ اہانت ہے امام مہدی کی۔ ان کا طرز صحابہ کا سا ہوگا، وہ نہ نقشبندی ہوں گے نہ چشتی نہ حنفی۔ وہ تو دین کے ہر شعبہ میں خود مستقل شان رکھتے ہوں گے۔" (ملفوظات حکیم الامت، ص:۹۰، ج:۵، ملفوظ:۹۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام حضرت مہدی سے بلاشبہ بڑھا ہوا ہے، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حنفی کہنا یا لکھنا بدرجۂ اولیٰ غلو ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مجتہد مطلق ماننے کی تقدیر پر بالفرض آپ کا کل یا اکثر اجتہادات حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادات پر منطبق ہوجائے، تب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہرگز ہرگز حنفی نہیں کہا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے بیانات وتحریرات میں اس طرح کی تعبیر استعمال کرنے سے کلی طور پر احتراز کرنا چاہیے۔ واللہ الموفق

❁ ❁ ❁

دارالعلوم دیوبند کا نصاب تعلیم اور نظام تعلیم وتربیت

از: مولانا شوکت علی قاسمی بستوی
استاذ دارالعلوم دیوبند و ناظم عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین محمد وآلہ وصحبہ أجمعین وبعد!

اسلام اور علم: اسلام دین رحمت ہے جو ساری انسانیت کی دینی ودنیاوی فلاح وکامیابی کا ضامن ہے۔ اسلام مکمل ضابطۂ حیات اور دستور زندگی بھی ہے جس میں زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے، لیکن اس سے مستفید اور فیض یاب ہونے کیلئے علم کی ضرورت ہے۔ علم ہی وہ کنجی ہے جس سے اسلام کے دینی، علمی، ثقافتی، ملی اور روحانی اثاثے تک رسائی ہوسکتی ہے، اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ محسن انسانیت، سرور عالم ﷺ پر پہلی وحی میں درج ذیل پانچ آیات نازل ہوئیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کا حکم فرمایا ہے:

”اقرأ باِسم رَبّك الذی خَلَقَ ، خَلَقَ الانسانَ مِن عَلَقٍ، اِقْرأ وربُّك الاَکرَمُ ، الذی علَّمَ بالقَلَمِ، علَّمَ الإنسَانَ مَالَمْ یَعْلَمُ“ (۱)

سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا ”انما بُعِثْتُ مُعَلِّمًا“ (۲) مجھے بھیجا ہی گیا ہے معلّم بنا کر۔

علم کی اسی اہمیت کے پیش نظر محسن انسانیت ﷺ نے مکی زندگی میں تمام تر دشواریوں کے باوجود قرآن کریم کی تعلیم کا نظم فرمایا، پھر مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد، مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی، تو اس میں ایک مخصوص صفہ (چبوترہ) اس لئے بنایا گیا تاکہ صحابہ کرامؓ وہاں قیام فرماکر، قرآن وحدیث اور دینی مسائل کی تعلیم حاصل کرسکیں، صفہ: اسلامی تاریخ کا پہلا مدرسہ قرار پایا۔ مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست فیض یاب ہونے والے یہ حضرات صحابہؓ، جزیرۃ العرب ہی نہیں بلکہ دنیا کے اطراف واکناف میں پہنچے اور قرآن وحدیث کے انوار وبرکات سے دنیا کو معمور فرمایا۔ مسجد

کے زیر سایہ دینی تعلیم و تربیت کا نظام قائم کیا، جہالت و ناخواندگی کا قلع قمع کیا اور علوم قرآن وحدیث کی روشنی سے چپے چپے کو فیض یاب اور مستنیر کیا، امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی احاتم رازیؒ نے کتاب الجرح والتعدیل کے مقدمہ میں لکھا ہے:

''حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، عالم اسلام کے اطراف واکناف، بلاد وامصار اور سرحدوں میں امارت، قضاء اور تبلیغ احکام کے سلسلہ میں پھیل گئے، اوران میں سے ہر ایک نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا، دیکھا اور یاد کیا تھا سب کو عام کیا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا، اور نبی اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کیا، لوگوں کو فرائض، احکام، سنن، حلال وحرام کی تعلیم کے لئے، حسن نیت اور تقرب خداوندی کے جذبے کے ساتھ اپنے آپ کو وقف کردیا اور اسی میں زندگی بسر کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھالیا۔(۳)

حضرات صحابۂ کرامؓ کے اسوۂ حسنہ کو امت کے بعد کے افراد نے بھی مشعل راہ بنایا اور دینی تعلیم کی نشرواشاعت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں، خود ہندستان میں جب مسلمانوں کے قدم پہنچے تو انھوں نے یہاں کے چپے چپے کو علم کی روشنی سے مالامال کردیا، ہر دور میں اسلامی علوم کی تعلیم واشاعت کا خصوصی نظام قائم رہا، سلاطین ہند نے دینی تعلیم کے فروغ کے لئے انتظامات کئے، جگہ جگہ حکومت کے زیر انتظام ونگرانی مدرسے قائم کیے گئے، سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے، دیگر سلاطین کے عہد میں بھی دینی تعلیم کی نشرواشاعت کا اہتمام جاری رہا۔(۴)

مغلیہ دور حکومت میں بھی تعلیم کی ترویج کا خاص انتظام کیا گیا، علماء ومشائخ کا بڑا پاس ولحاظ تھا، مدارس کے لیے جاگیریں وقف تھیں، علماء کرام کے وظائف جاری تھے۔ ان اسلامی مدارس میں بنیادی طور پر جن علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی ان میں، صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، کلام، حدیث، اصول حدیث، تفسیر اور اصول تفسیر شامل تھے۔ کبھی ان فنون کے ساتھ ہیئت، حساب، اقلیدس، طب، ادب، انشاء، فرائض، اخلاق، تصوف اور مناظرہ وغیرہ کی تعلیم بھی دی گئی تھی۔(۵)

اس قدیم نصاب تعلیم کو پڑھ کر جو عظیم شخصیات پیدا ہوئیں ان میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور حضرت حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سب سے فائق اور ممتاز ہیں۔ قدیم نصاب میں شامل جن علوم وفنون کا پہلے تذکرہ کیا گیا، ان میں وقفہ وقفہ سے، تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے،

حضرت امام اکبر شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے جس نصاب کے ذریعہ تعلیم حاصل کی اس کی درسی کتابوں کا تذکرہ انھوں نے اپنی خودنوشت سوانح: الجزء اللطیف میں یوں کیا ہے:

''نحو میں کافیہ، شرح جامی۔ منطق میں شرح شمسیہ، شرح مطالع۔ فلسفہ میں شرح ہدایت الحکمۃ، کلام میں شرح عقائد نسفی مع حاشیہ خیالی اور شرح مواقف، فقہ میں شرح وقایہ، ہدایہ (کامل) ہیئت وحساب میں بعض مختصر رسائل، طب میں موجز القانون، حدیث میں مشکوٰۃ المصابیح سوائے کتاب البیوع سے کتاب الآداب کے تھوڑے حصے تک، صحیح بخاری کتاب الطہارۃ تک، تفسیر میں: بیضاوی اور تفسیر مدارک کا ایک حصہ۔'' (۶)

اکثر کتابیں آپ نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سے ہی پڑھیں، پھر حجاز مقدس تشریف لے گئے اور شیخ ابوطاہر مدنی وغیرہ سے استفادہ کیا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ، سرزمین ہند کے ان اکابر میں سے ہیں، جن کی نظیر نہ صرف اپنے عصر میں اور نہ صرف ہندوستان میں؛ بلکہ بہت سے قرون وممالک اسلامیہ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی، حضرت موصوف بقول حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، بانی دارالعلوم دیوبند، ان افراد میں سے ہیں کہ سرزمین ہند میں اگر صرف شاہ ولی اللہ ہی پیدا ہوئے، تو ہندوستان کے لئے یہ فخر کافی تھا۔ (۷)

علامہ شبلی نعمانیؒ تاریخ علم الکلام میں لکھتے ہیں کہ: ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد خود انہیں کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل ودماغ پیدا ہو، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانے میں، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جن کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔ (۸)

درس نظامی: حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے جس نصاب کے مطابق تعلیم پائی تھی وہی نصاب جزوی فرق کے ساتھ ان کے عہد میں دینی مدارس میں رائج تھا، اس میں پہلے بھی اصلاح وترمیم ہوئی اور بعد میں بھی جزوی ترمیمات کی گئیں لیکن نصاب کی روح باقی رہی، بعد میں یہی نصاب ''درس نظامی'' کے نام سے موسوم ہوا کیوں کہ اسے حضرت شاہ صاحب کے ہم عصر اور جلیل القدر فاضل حضرت ملا نظام الدین صاحب سہالویؒ (پیدائش: ۱۰۸۵ھ، وفات

۱۱۶۱ھ) نے فرنگی محل لکھنؤ کے مدرسے کے لیے قدیم نصاب میں چند تبدیلیوں اور کتابوں کے اضافے کے بعد مرتب کیا تھا، ملا نظام الدین سہالویؒ، حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے محقق اور بلند پایہ عالم تھے، فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے لیے مقرر مجلس علمی کے وہ اہم رکن تھے، درس نظامی میں شامل فنون اور کتابیں حضرت مولانا عبدالحیؒ حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تصریح کے مطابق حسب ذیل تھیں:

علم صرف: میزان، منشعب، پنج گنج، زبدۃ، صرف میر، فصول اکبری اور شافعیہ ابن حاجب۔

علم نحو: نحو میر، شرح مأۃ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح ملا جامی۔

بلاغت: صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی۔

منطق: سلم العلوم، میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال۔

فلسفہ: شرح میبذی علی ہدایۃ الحکمۃ، شرح صدرا، شمس بازغہ، ملا محمود جون پوری۔

ریاضی: خلاصۃ الحساب، باب التصحیح تحریر اقلیدس کا مقالہ اول۔

فقہ: شرح وقایہ کا نصف اوّل، اور ہدایہ کا نصف ثانی۔

اصول فقہ: نور الانوار، تلویح، مقدمات اربعہ تک، اور مسلم الثبوت، مبادی کلامیہ تک۔

علم کلام: تفتازانی کی شرح عقائد، تا بحث سمعیات۔

محقق دوانی کی شرح عقائد کا جزء اوّل، میر زاہد شرح مواقف تا بحث امور عامہ۔

تفسیر: جلالین شریف، بیضاوی سورۂ بقرہ۔ تا بحث امور عامہ۔

مناظرہ: رشیدیہ۔

حدیث: مشکوٰۃ المصابیح تا کتاب الجمعہ۔(۹)

حضرت ملا نظام الدینؒ کے مرتب کردہ اور رائج کردہ اس نصاب تعلیم کو معقولات ومنقولات میں گہرائی ورسوخ اور علوم وفنون متداولہ میں فضل وکمال کے حصول کا ذریعہ قرار دیا گیا اور ملک کے بیشتر مدارس میں اسے قبول عام حاصل ہوا، اس میں جہاں اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کہ اسلامی علوم وفنون میں مہارت پیدا ہو، وہیں دنیاوی ضروریات کا بھی قدرے لحاظ تھا، اور اسی نصاب سے بعض عصری علوم پڑھ کر حکومتی اداروں اور دفاتر میں لوگوں کو ملازمت بھی مل جاتی تھی۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے مطابق اس نصاب میں دفتری زبان فارسی نثر وانشاء وغیرہ کی بیسیوں کتابیں داخل اور حساب وخطاطی پر بھی توجہ اسی لئے دی جاتی تھی تاکہ کاروبار حکومت اور

دفتری ضروریات کیلئے بھی افراد تیار ہوسکیں۔ یہ نصاب ۱۸۳۵ء تک ملک کے بیشتر مدارس میں رائج رہا۔ (۱۰)

۷/مارچ ۱۸۳۵ء لارڈ میکالے کی صدارت میں مشرقی زبانوں کی جگہ انگریزی زبان میں تعلیم کے مسئلہ کو طے کرنے کیلئے بنی کمیٹی کا اجلاس ہوا، اراکین میں اختلاف رائے تھا، ایک فریق انگریزی زبان میں تعلیم دیئے جانے کا مخالف تھا دوسرا حامی، دونوں فریق کے ووٹ برابر ہوئے تب لارڈ میکالے نے اپنے فیصلہ کن ووٹ انگریزی زبان کی تعلیم کی تائید میں دیا اوراس طرح انگریزی کے اجراء کا فیصلہ ہوگیا، اور لارڈ میکالے کا نظریہ تعلیم ملک پرتھوپ دیا گیا۔

اس تعلیمی پالیسی کے پس پردہ کیا مقاصد تھے وہ لارڈ میکالے کی زبانی سنئے:

''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہواور یہ ایسی جماعت ہونی چاہئے جوخون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو، مگر مذاق رائے، الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔'' (۱۱)

حضرات اکابر دیوبند نے لارڈ میکالے کے نظریہ تعلیم کو ناکام بنانے اوراعلیٰ تعلیمی وتربیتی مقاصد کے لیے دارالعلوم دیوبند قائم فرمایا، کہ ایسے افراد تیار کیے جائیں جو رنگ ونسل کے اعتبار سے ہندوستانی، ایرانی، ترکستانی، افغانی وغیرہ ہوں لیکن ذہن وفکر اور دل ودماغ کے اعتبار سے حجازی اور محمدی ہوں۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام: برطانوی سامراج کے خلاف ۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی ناکام ہوچکی تھی، علماء حق کو چن چن کر قتل کیا جارہا تھا، سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ہوچکا تھا، شاطران فرنگ پورے برصغیر پر اپنا قبضہ جماچکے تھے، اسلامی سطوت خاک میں مل چکی تھی، مسلمانوں کے دین وایمان پر شب خوں مارا جارہا تھا، اسلامی تہذیب کے نقوش مٹنے لگے تھے، پوری ملت اسلامیہ مایوسی وکس مپرسی کا شکارتھی، اسلامی نظام تعلیم ختم ہوچکا تھا، برطانوی تعلیمی پالیسی کا نفاذ ہورہا تھا، برصغیر کو دوسرا اسپین بنانے اور اسلام اور مسلمانوں کو دیس نکالا دینے کی تمام تیاریاں مکمل کرلی گئی تھیں کہ دیوبند کے افق سے امید کی روشن کرن پھوٹی، اللہ تعالیٰ نے برصغیر میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی، اسلام اور علوم اسلامیہ کی حفاظت کا سامان پیدا فرمایا اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ (متوفی ۱۲۹۷ھ) اوران کے رفقاء کار حضرات کے دلوں میں دارالعلوم دیوبند کی شکل میں اسلامی قلعہ کی تعمیر کا الہام فرمایا اور ۱۵/محرم ۱۲۸۳ھ، مطابق ۳۰/مئی ۱۸۶۶ء کو ایک

مبارک و مسعود ساعت میں دیوبند میں اس کی داغ بیل ڈال دی گئی۔

یہ داغ بیل، کن مبارک ہاتھوں سے ڈالی گئی، سنئے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ صاحب فرماتے ہیں:

''یہ صالح ہستیاں منتخب روزگار تھیں، خدا رسیدہ تھیں، انہیں نور بصیرت حاصل تھا، یہ عرفانِ شریعت سے آراستہ تھیں اور یہ اس مؤمنانہ فراست، حکیمانہ صلاحیت اور ملہمانہ بصیرت کا کرشمہ تھا کہ خداوند قدوس کے حکم سے دیوبند کی خاک پر علوم نبوت کی ایک درسگاہ عالم وجود میں آگئی، بادی النظر میں یہ ایک حقیر درس گاہ تھی لیکن فی الحقیقت یہ علوم معرفت کا عظیم سرچشمہ تھا اس میں بڑی جامعیت تھی، بڑی ہمہ گیریت تھی، یہ ایک دانش کدہ تھا، علم وعرفان کا مرکز عظیم اور امن وتقویٰ کا مظہر جلیل تھا، فکر وعمل کی بہترین جلوہ گاہ تھی، اور اس طائفہ ولایت کے سرخیل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے، کون محمد قاسم؟ جو اشارۂ ربانی کے رمز شناس تھے، جن کے باطنی محاسن اور جن کے اخلاقی مکارم نے کفر کی ظلمتوں کا سینہ چیر کر اس میں نور ایمان پیوست کیا تھا، اور ان کے باطنی شعور اور فکری بلوغ سے ظلمت کدۂ ہند میں وحی الٰہی کی روشنی پھیلانے کا انتظام ہو رہا تھا، پھر یہ اسلام کا بطل جلیل تنہا نہ تھا اس کی معاونت کے لیے دیگر رجال کار بھی تھے وہ کون؟ وہ حاجی سید عابد حسینؒ تھے وہ مولانا ذوالفقار علیؒ تھے وہ مولانا فضل الرحمانؒ تھے، یہ وہ بندگان خدا تھے جن کی اصابت فکر، جن کی جلالت علم اور جن کی فراست وفہم پر ماہ وپروین گواہ تھے۔(۱۲)

دارالعلوم دیوبند کیا ہے؟: دارالعلوم دیوبند علوم کتاب وسنت کا امین، متاع دین و دانش کا نگہبان، اسلامی تعلیمات وروایات کا پاسبان، علم وعرفان کا سنگم، ہندوستان میں تحفظ دین کی اولین کوشش کا مظہر جمیل، علماء حق کے جذبۂ ایثار وقربانی کی لازوال یادگار، اکابر کی آہ سحرگاہی ودعائے نیم شبی کا ثمرہ اور اسلام کی بقاء وتحفظ کا وہ عظیم مرکز ہے جس نے اسلامی علوم وفنون کی تعلیم واشاعت، ملک وملت کی دینی ودنیاوی قیادت، تزکیہ اخلاق، وعظ وتذکیر، تصنیف وتالیف، صحافت وخطابت، دعوت وارشاد، اور ملک کی آزادی کے سلسلے میں جو زریں خدمات انجام دیں ہیں وہ تاریخ کا روشن باب ہے، قیام دارالعلوم کے وقت منظّم کوشش جاری تھی کہ ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں کو رخت سفر باندھنے پر مجبور کردیا جائے، یہ دارالعلوم ہی تھا جس نے منظّم سازش کو ناکام بنایا اور ہندوستان کو دوسرا اندلس بنانے سے بچالیا۔

قیام کے اغراض و مقاصد: دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بنیادی مقاصد میں یہ بات

شامل تھی کہ لارڈ میکالے نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو نظام تعلیم نافذ کیا تھا اسے ناکام بنا کر اسلامی علوم وفنون کی حفاظت کی جائے۔ ایسے جاں نثار وسرفروش علماء کی کھیپ تیار کی جائے جو سخت سے سخت حالات میں علوم کتاب وسنت کی تعلیم واشاعت، اسلامی تعلیمات کی حفاظت، ملک وملت کی تعمیر وترقی اور مسلمانوں کی اصلاح کی خدمات انجام دے سکیں، دارالعلوم دیوبند کے دستوراساسی میں دارالعلوم کے قیام کے مقاصد درج ذیل بیان کیے گئے ہیں:

(۱) قرآن مجید، تفسیر، حدیث، عقائد وکلام اور ان علوم کے متعلقہ ضروری اور مفید فنون آلیہ کی تعلیم دینا، مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا اور رشد وہدایت اور تبلیغ کے ذریعہ اسلام کی خدمت انجام دینا۔

(۲) اعمال واخلاق اسلامیہ کی تربیت اور طلبہ کی زندگی میں اسلامی روح پیدا کرنا۔

(۳) اسلام کی تبلیغ واشاعت اور دین کا تحفظ اور اشاعت اسلام کی خدمت بذریعہ تحریر وتقریر بجالانا اور مسلمانوں میں تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ سے خیرالقرون اور سلف صالحین جیسے اخلاق واعمال اور جذبات پیدا کرنا۔

(۴) حکومت کے اثرات سے اجتناب واحتراز، اور علم وفکر کی آزادی کو برقرار رکھنا۔

(۵) علوم دینیہ کی اشاعت کے لیے مختلف مقامات پر مدارس عربیہ قائم کرنا اور ان کا دارالعلوم سے الحاق۔

مقاصد تاسیس سے ہم آہنگ نصاب تعلیم: دارالعلوم دیوبند کا قیام امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی تحریک دعوۃ واصلاح کی بنیاد پر مسلم معاشرے کی دینی، ملی اور دعوتی ضرورتوں کی تکمیل، علوم کتاب وسنت کی حفاظت واشاعت، دینی عقائد وشعائر کی صیانت اور سرمایۂ ملت کی پاسبانی اور دیگر مذکورہ بالا اغراض ومقاصد کے لیے عمل میں آیا تھا، اس لیے اس کا نصاب تعلیم خالص دینی تجویز کیا گیا، یہ وہی نصاب تھا جو درس نظامی کے نام سے موسوم تھا، اسی میں خاصا ردوبدل کر کے اسے دارالعلوم دیوبند کے لیے تجویز کر دیا گیا، پھر ۱۲۸۳ھ میں نصاب تعلیم پر نظر ثانی کی گئی، فارسی نصاب کو عربی سے الگ کر دیا گیا اور عربی کا نصاب اس طرح مقرر کیا گیا کہ اس دور کے ذہین طلبہ اس کو چھ سال میں مکمل کر لیں، مگر پھر ۱۲۹۰ھ میں دوبارہ غور کیا گیا اور عربی نصاب تعلیم کو آٹھ سالہ بنا دیا گیا، دارالعلوم کی رودادوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پھر ۱۳۰۲ھ میں دوبارہ نصاب تعلیم زیر غور آیا اور اس میں جزوی ردوبدل کیا گیا اس کے بعد بھی

مختلف اوقات میں اس طرح کی ترمیمات کی جاتی رہیں۔

نصاب تعلیم کے سلسلہ میں حضرات اکابر دیوبند کے طرز عمل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ انھوں نے نصاب تعلیم کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا تھا پہلے مرحلے میں جسے اس دور میں شعبہ فارسی و ریاضی کہا جاتا تھا اور جسے آج کی اصطلاح میں مدرسہ ابتدائیہ کہنا چاہیے، ان تمام چیزوں کی رعایت تھی جن کی ایک انسان کو اپنی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے، اس دور میں چونکہ فارسی ملک کی رائج زبان تھی اس لیے مدرسہ ابتدائیہ میں فارسی ادب، بلاغت اور انشاء کا عنصر غالب تھا، لیکن اس کے علاوہ حساب، تاریخ، جغرافیہ، اقلیدس، اخلاق تصوف وغیرہ کے ذریعہ طالب علم کو اتنا علم اور تربیت کے ذریعہ اس کو ایسا مزاج دیا جاتا تھا کہ اگر وہ تعلیم منقطع کردے تو معاشرے کا ایک تعلیم یافتہ دیندار فرد شمار کیا جائے اور اگر وہ علوم عصریہ کی راہ اختیار کرے تو دین سے بیزار نہ ہو اور علوم عربیہ عالیہ میں داخل ہو تو اکابر دارالعلوم کو اسلام کی مختلف النوع خدمات کے لیے جن مجاہدین اور علماء راسخین کی ضرورت ہے ان کا فرد کامل بن جائے۔

اردو دینیات و فارسی کا نصاب: دارالعلوم دیوبند میں شعبہ اردو دینیات اور فارسی میں ٦ سالہ نصاب آج بھی رائج ہے اس نصاب میں حروف شناسی، بنیادی عقائد، گنتی، قرآن شریف، اردو، دینیات، کلمہ حفظ کرانا، نمازوں کی عملی مشق، ہندی، جغرافیہ، حساب، تاریخ اسلام، قواعد اردو، فارسی، انگلش، ادب فارسی، ادب اردو، سائنس، معلومات عامہ، تاریخ اکابر دارالعلوم وغیرہ مضامین ہیں۔ (مطبوعہ نصاب درجہ دینیات و فارسی، دارالعلوم)

عربی درجات کا نصاب: عربی درجات کے لیے آٹھ سالہ نصاب کچھ تغیرات کے بعد وہی درس نظامی ہے، اس نصاب کو منتخب کرنے کی وجہ اس کی خصوصیات ہیں کہ اس کے پڑھنے والوں میں دقت نظر، اور قوت مطالعہ پیدا ہوجاتی ہے یعنی اگر کوئی محنتی اور باذوق طالب علم اس نصاب کو ذوق وشوق اور تحقیق کے ساتھ مکمل کرلیتا ہے تو اس کو اگرچہ فراغت کے ساتھ ہی تحقیق کا درجہ حاصل نہیں ہوجاتا لیکن اس میں یہ صلاحیت ضرور پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ آئندہ اپنی جدوجہد اور مطالعہ سے جس فن میں چاہے کمال پیدا کرسکتا ہے، اس نصاب کی کتابیں حضرات علماء متاخرین کی مرتب کردہ ہیں اور ان میں یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ اختصار کے ساتھ کتاب اپنے موضوع کے تمام مباحث ومسائل وجزئیات پر محیط ہو، تاکہ طالب علم زیر درس موضوع کی تمام بحثوں پر حاوی ہوجائے۔

حضرت مولانا عبدالحئی صاحب حسنی لکھنویؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ فرماتے ہیں: اس (درس نظامی) نصاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ طالب علموں میں امعان نظر اور قوت مطالعہ پیدا کرنے کا اس میں بہت لحاظ رکھا گیا ہے اور جس کسی نے تحقیق سے پڑھا ہو تو اس کو پڑھنے کے ساتھ ہی اگرچہ کسی مخصوص فن میں کمال حاصل نہیں ہوجاتا لیکن یہ صلاحیت ضرور پیدا ہوجاتی ہے کہ آئندہ اپنی محنت سے جس فن میں چاہے اچھی طرح کمال پیدا کرے۔ (۱۳)

ماضی میں اسی نصاب تعلیم سے ایسے نابغۂ روزگار علماء پیدا ہوئے جن کے رسوخ فی العلم، مقام تحقیق اور کمال علم کا پورے عالم اسلام نے اعتراف کیا ہے۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رقم طراز ہیں:

''بحمداللہ اس وقت بھی ہندوستان کے قدیم نصاب سے جو لوگ پیدا ہورہے ہیں ہندوستان ہی نہیں ہندوستان کے باہر بھی اسی علم میں جس میں ہندوستان کی بضاعت سب سے زیادہ مزجاۃ سمجھی جاتی تھی، یعنی فن حدیث، اسی کے متعلق قسطنطنیہ کے فاضل جلیل جو کمالی عہد سے پہلے غالباً کسی ممتاز دینی منصب سے سرفراز تھے، ان کا نام علامہ محمد زاہد ابن الحسن کوثری ہے۔ خاکسار نے ان کے چند رسائل مختصرہ دیکھے ہیں جن سے ان کی تبحر اور علمی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے اس وقت ان کا شمار، اسلامی ممالک خصوصاً حنفی دائرے کے ممتاز ترین علماء میں ہے اس ترکی اور مصری فاضل نے حضرت الاستاذ العلامہ الامام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب صدر دائرۃ الاہتمام دارالعلوم دیوبند کی شرح مسلم (فتح الملہم) جب دیکھی تو مولانا کو ایک خط لکھا جو شرح مسلم جلد ثالث کے آخر میں چھاپ دیا گیا ہے، اس خط میں علامہ کوثری مولانا کو خطاب کرکے اعتراف کرتے ہیں، ''انتم یامولانا فخر الحنفیة فی هذا العصر حقا'' چودھویں صدی میں سارے حنفی ممالک کا فخر ایک ہندی عالم، بیرون ہند کا ایک جلیل القدر و مسلم الثبوت فاضل قرار دیا گیا ہے۔ (۱۴)

علام اسلام کے بلند پایہ مفسر، محقق عالم اور صاحب طرز علامہ سید رشید رضاؒ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے، جلسہ استقبالیہ میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے عربی زبان میں برجستہ خطاب فرمایا اور دارالعلوم دیوبند کے علمی مذاق ومزاج کی تشریح فرمائی، تو حضرت علامہ رشید رضا بے حد متاثر ہوئے، جس کا اظہار انھوں نے اپنی جوابی تقریر میں بھی کیا اور اپنے مجلّہ ''المنار'' میں بھی اپنے گراں قدر تاثرات تحریر فرمائے۔

جنرل سلیمان لکھتے ہیں: سات سال کے درس یعنی درجۂ فضل کے ایک ہندوستانی طالبعلم

اپنے سر پر جو آکسفورڈ کے فارغ التحصیل طالب علم کی طرح علم سے بھرتا ہوا ہے دستار فضیلت باندھتا ہے اور اسی طرح ... سقراط، ارسطو، افلاطون، بقراط، جالینوس اور بوعلی سینا وغیرہ پر گفتگو کرسکتا ہے جس طرح آکسفورڈ کا کامیاب طالب علم۔(۱۵)

دارالعلوم دیوبند کا مزاج و مذاق: اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے اس نصاب تعلیم کو پڑھ کر اور اس کے اکابر رحمہم اللہ کے فہم وفراست، زہد وتقوی، اخلاص و للّٰہیت اور خدمت خلق وغیرہ کمالات سے استفادہ کے نتیجے میں ایسی نابغۂ روزگار اور عبقری شخصیات پیدا ہوئیں جو کسی اور ادارے سے پیدا نہیں ہوئیں، اس کی وجہ دارالعلوم دیوبند کے امتیازات وخصوصیات ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: پہلی خصوصیت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند ایک درس گاہ نہیں بلکہ ایک خاص نظریہ اور ایک طرزِ عمل اور تحریک کا نام ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ دین سمجھانے کے لیے کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں بھیجتا رہا ہے، اکابر دیوبند نے بھی نصاب تعلیم پر اکتفاء نہ کیا؛ بلکہ علمی و دینی تربیت پر بھی پوری توجہ دی، یہاں سے فارغ ہوکر نکلنے والے صرف ظاہری علوم سے آراستہ نہیں ہوتے بلکہ وہ عملی اعتبار سے بھی سچے اور پکے مسلمان ہوتے تھے، جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا جن کی ہر نقل وحرکت اسلام کی نمائندگی کرتی تھی، دن کے وقت یہاں علوم کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت یہاں کا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر وتلاوت قرآن سے گونجتا تھا، دوسری خصوصیت یہ ہے کہ علمائے دیوبند فضل وکمال تبحر علمی کے ساتھ ساتھ تواضع وللّٰہیت کا پیکر تھے، امانت وتقویٰ کا مجسمہ تھے، اسی طرح دارالعلوم دیوبند کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس نے اپنے مسلک اعتدال کی طرف دعوت اور دوسروں پر تنقید کے سلسلہ میں پیغمبرانہ اسلوب اختیار کیا جس میں مخالف کو زیر کرنے کے بجائے اس کی دینی خیرخواہی کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔(۱۶)

دارالعلوم نے دنیا کو کیا دیا: دارالعلوم دیوبند اور اس کا فکر، جامعیت کبریٰ محمدیہ کا وارث اور سہ گانہ مقاصد بعثت تلاوت قرآن کریم، کتاب وحکمت اور تزکیہ کا امین وداعی رہا ہے، دیوبند کی تشکیل جن پرنور اور مبارک بنیادوں پر ہوئی اور منہاج نبوت کا جو عظیم ورثہ اسے میسر آیا اس کی وجہ سے دیوبندیت کا ہیولی، قرآن وسنت کی سلف صالحین کے محتاط رنگ میں تشریح، فقہ حنفی کی محدثانہ طرز میں توضیح، سلوک وتصوف کی طریق نبوت کے مطابق تصریح اور معارف وحقائق دینی کی حکیمانہ پیشکش، توحید خالص، اتباع سنت، حب الٰہی عشق رسول اور جملہ اہل سلاسل کے

احترام سے وجود میں آیا، غیرت ایمانی نے احقاق حق، ابطال باطل، اشاعت دین، حفاظت ناموس رسالت رد بدعات اور حریت و جہاد کا جذبہ بخشا، دیوبندیت کے ان بنیادی جواہر کی بناء پر ان اعاظم رجال اور اساطین علم وعمل اور نفوس قدسیہ کو وجود بخشا، قرون متاخرہ میں ان کی مثال شاذ ہے بیسیوں ایسی ہستیوں کے نام بلاتکلف لیے جاسکتے ہیں جن میں ہر ایک بذات خود جامعہ علم، دائرۂ فضیلت، مجمع الفضائل، مرجع خلائق اور اپنی ذات میں انجمن بلکہ امت تھی، علوم وفنون کی ریاست وامامت انہیں زیبا تھی، ورع وتقویٰ نے ان سے زینت پائی تھی۔

اگر ایک طرف تعلیم کے رخ سے احادیث مبارکہ کا تداول اور چلن اور صحاح ستہ بلکہ دیگر بعض کتب احادیث کا دور دورہ، بستی بستی، قریہ قریہ پھیل گیا۔ قرآن کریم کے ترجمہ اور تفسیر کا ذوق گھر گھر پہنچا، عربی زبان وادب کو فروغ نصیب ہوا۔ احناف کی فقہی مستند کتابوں کا چلن مدرسہ کی ضرورت ٹھہرا، عقلی ونقلی علوم میں مہارت، سرمایۂ افتخار بنی تو دوسری طرف اکابر دیوبند کے سلاسل تصوف وسلوک اقصائے عالم میں پھیل گئے اور اصلاح وتجدید کے علمبرداروں نے معاشرے کی اصلاح اور مسلمانوں کی دینی وملی رہ نمائی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا۔ (الرشید، دارالعلوم دیوبند نمبر)

نصاب دارالعلوم پر ایک نظر: جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، اکابر دیوبند نے دارالعلوم کیلئے جو نصاب تعلیم پسند فرمایا وہ بنیادی طور پر ''درس نظامی'' ہے، لیکن یہ وضاحت ضروری ہے کہ دارالعلوم کا نصاب بعینہٖ درس نظامی نہیں ہے بلکہ اس میں خاصا حذف واضافہ کرکے ہی اسے نافذ کیا تھا پھر مرحلہ وار اس میں تغیرات اور اچھی تبدیلیاں کی جاتی رہی ہیں۔

اس وقت جو نصاب تعلیم دارالعلوم دیوبند وملحقہ مدارس میں جاری ہے یہ وہ نصاب ہے جو ۱۴۱۵ھ میں بعض جزوی ترمیمات کے بعد مرتب کیا گیا ہے۔ مورخہ ۲۰، ۲۱/محرم ۱۴۱۵ھ کو دارالعلوم دیوبند میں مدارس اسلامیہ عربیہ کا کل ہند اجتماع منعقد ہوا جس میں دیگر موضوعات کے علاوہ نصاب تعلیم بھی زیر بحث آیا اور اجتماع نے اپنی تجویز (ا) میں ایک نمائندہ نصاب کمیٹی کی تشکیل کی سفارش کی جو نصاب تعلیم پر غور کرے اور مجوزہ ترمیمات واضافات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک جامع نصاب کا خاکہ تیار کرے، چنانچہ پہلے مجلس تعلیمی دارالعلوم دیوبند نے نصاب پر غور کیا اور بعض جزوی ترمیمات کی سفارش کی پھر حضرات اساتذہ دارالعلوم کی ایک ۹ نفری کمیٹی نے غور وخوض کے بعد اور کچھ ترمیمات کیں، بعد ازاں نمائندہ نصاب کمیٹی کے ارکان حضرت مولانا قاری محمد اطہر صاحب مبارک پوری، حضرت مولانا رشید الدین صاحب مرادآباد، حضرت مولانا برہان

الدین صاحب سنبھلی استاذ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور، حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب گجرات، حضرت مولانا محمد رضوان صاحب قاسمی حیدرآباد، حضرت مولانا محمد اشتیاق صاحب مظفر پور پٹنہ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدراس، حضرت مولانا نوح صاحب کیرالا، حضرت مولانا مشہود صاحب دہلی، حضرت مولانا احمد علی صاحب آسام، اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب آسام، اور ۹/اساتذۂ دارالعلوم نے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب زید مجدہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں منعقد اپنی نشستوں میں ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۵ھ کو طویل غور وخوض کیا اور نصاب تعلیم کا ایک خاکہ مرتب کیا، اساتذۂ دارالعلوم میں جو حضرات بحیثیت رکن شریک رہے وہ ہیں: حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب صدرالمدرسین، حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری، حضرت مولانا قمرالدین صاحب گورکھپوری، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری، حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی، حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری، حضرت مولانا نور عالم امینی صاحب، راقم السطور شوکت علی قاسمی بستوی بھی تمام مجلسوں میں شریک رہا۔ یہ مجوزہ نصاب ۲۰، ۲۱، ۲۲/ جمادی الاولیٰ کے کل ہند اجلاس مدارس اسلامیہ عربیہ میں پیش ہوکر منظور ہوا، اور دارالعلوم اور ملحقہ مدارس میں جاری ہوا۔

درجات عربیہ کا یہ ۸ سالہ نصاب ہے، ذیل میں جماعت وار مضامین کا جائزہ پیش ہے۔

سال اول میں: سیرت رسول کریم، صرف، نحو، تمرین عربی، تجوید پارۂ عم حفظ، تصحیح مخارج کے ساتھ ربع اوّل۔

سال دوم میں: نحو، صرف، تمرین عربی، فقہ، منطق (آسان منطق) مرقات، تجوید مع مشق پارۂ عم، خوش نویسی۔

سال سوم میں: ترجمہ قرآن کریم، سورہ قٓ سے آخر تک، حدیث، فقہ، نحو، عربی ادب، تمرین عربی، اسلامی اخلاق، منطق (شرح تہذیب) تجوید۔ مطالعہ: خلافت راشدہ۔

سال چہارم میں: ترجمہ قرآن سورۂ یوسف سے سورۂ ق تک، حدیث، بلاغت، اصول فقہ، منطق (قطبی) تاریخ خلافت بنی امیہ، خلافت عباسیہ، خلافت ترکیہ، مبادی: علم مدنیہ، جغرافیہ عالم، جغرافیہ جزیرۃ العرب، تجوید، پانچ پاروں کا اجراء۔

سال پنجم میں: ترجمہ قرآن از ابتدا، تا ختم سورۂ یونس، فقہ، بلاغت، اصول فقہ۔ علم ادب: عقائد، منطق (سلم)، تجوید، تاریخ سلاطین ہند، سلطان محمود غزنوی سے ۱۹۴۷ء تک۔

سال ششم میں: تفسیر جلالین، فقہ، اصول تفسیر، اصول فقہ، عربی ادب، تجوید، فلسفہ (مبادی الفلسفہ بعدہ میبذی) مطالعہ سیرت (اصح السیر)

سال ہفتم میں: حدیث شریف، اصول حدیث، فقہ، عقائد، فرائض، تجوید، مطالعہ: المذاہب الاسلامیہ۔

سال ہشتم میں: کتب حدیث: بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، طحاوی شریف، شمائل ترمذی شریف، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد ان کے علاوہ تجوید و مشق۔

بڑے شدومد سے یہ راگ الاپا جاتا ہے کہ: دارالعلوم دیوبند وملحقہ مدارس میں قدیم فرسودہ درس نظامی رائج ہے جس میں معقولات کی کتابوں کی بھرمار ہے اور کتب دینیہ خال خال ہیں کہا جاتا ہے کہ: اس نصاب میں قرآن کریم کی تفسیر کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے، لے دے کے صرف تفسیر جلالین اور بیضاوی شریف کا کچھ حصہ شامل نصاب ہے، لیکن آپ ملاحظہ فرمائیں تیسری جماعت سے ہی تفسیر (ترجمہ قرآن) داخل ہے، سال سوم، چہارم وپنجم میں قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر شامل ہے۔ اس طرح تین سالوں میں پورے قرآن کریم کا اردو ترجمہ مختصر تفسیر اور نحوی و صرفی اجراء وغیرہ مکمل کرایا جاتا ہے۔ پھر تجوید سال اول سے سال ہشتم تک ہر سال لازمی ہے، اسی طرح فقہ کی کتابیں سال اول وہشتم کے علاوہ تمام جماعتوں میں ہیں اور ہشتم یعنی دورۂ حدیث شریف میں بھی فقہ السنہ امتیازی شان سے پڑھایا جاتا ہے۔ نیز سیرت، اخلاقیات عقائد کی کتابیں بھی خاصی تعداد میں شامل نصاب ہیں۔ درس نظامی کا ایک نقص یہ بھی بیان کیا جارہا ہے کہ اس میں تاریخ داخل نہیں ہے، آپ نے دیکھا دارالعلوم کے نصاب میں اسلامی اور ملکی تاریخ کی کتابیں کئی داخل ہیں۔ پہلے درس نظامی میں کل دوہی کتابیں حدیث کی رہی ہوں گی، لیکن اب تو کل ۱۳؍ کتابیں ہیں۔ تین دورۂ حدیث سے قبل اور باقی دورۂ حدیث میں، اور حدیث شریف تو دارالعلوم دیوبند میں اس شان سے بحمداللہ پڑھائی جاتی ہے کہ شاید ہی کہیں اور اس طرح پڑھائی جاتی ہو، اور اس طرح شب وروز قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی صدائیں شاید ہی کہیں بلند ہوتی ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

ایک بات یہ بھی کہہ دی جاتی ہے کہ دارالعلوم میں ادب عربی پر توجہ نہیں ہے۔ پہلے درس نظامی میں واقعی یہ خلا تھا لیکن اللہ تعالیٰ جزاءِ خیر عطا فرمائے، استاذ گرامی، عربی زبان وادب کے عبقری ومثالی معلم حضرت مولانا وحید الزماں صاحب قاسمی کیرانویؒ کو۔ انھوں نے تمرین عربی کا مکمل کورس تیار فرمایا، مختلف معاجم اور لغات، مرتب فرمائیں اور عربی زبان وادب کے فروغ کا سامان پیدا فرمادیا، اب سال اول و دوم وسوم میں مسلسل تمرین عربی داخل ہے، اور حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی نفحۃ العرب، حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کی القرأۃ الواضحۃ کے تینوں حصے، حضرت مولانا نور عالم صاحب امینی کی مفتاح العربیہ، اسی طرح بہت سے ملحقہ مدارس میں مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب کی قصص النّبیین، القرأۃ الراشدہ وغیرہ کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں، ضرورت ہے کہ دیگر مدارس کے ذمہ داران بھی اس جانب خصوصی توجہ مبذول فرمائیں، رہیں منطق وفلسفہ کی کتابیں تو دارالعلوم کے نصاب میں منطق کی کل پانچ اور فلسفہ کی ۲ ہی کتابیں موجود ہیں۔ بعض کرم فرما حضرات کا اصرار ہے کہ یہ بھی کیوں رکھی جائیں؟ انہیں بھی نکال دیا جانا چاہیے، تو اس بارے میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا ارشاد نقل کردینا بہتر ہوگا۔

فرماتے ہیں: منطق اور فلسفے کی تعلیم سے متعلق بعض حضرات یہ رائے پیش کرتے ہیں کہ یونانی فلسفے کے زوال کے بعد ان مضامین کو پڑھانے کی چنداں حاجت باقی نہیں رہی، لیکن ہمارے نزدیک یہ بات بوجوہ درست نہیں، ان مضامین کی اہمیت کے لئے تنہا یہ بات بھی کافی ہے کہ ہمارے اسلاف کی کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ بالخصوص اصول فقہ انہیں علوم کی اصطلاحات اور منطقی انداز واسلوب پر مشتمل ہے، اس کو ٹھیک سمجھنے اور اس سے استفادے کے لئے منطق اور فلسفہ کی واقفیت ضروری ہے، آج تفسیر کبیر جیسے دریائے علم سے استفادہ اس کے بغیر ممکن ہی نہیں کہ انسان منطق اور فلسفہ کا علم رکھتا ہو، لہٰذا ان مضامین کا یکسر ختم کردینا ہمارے نزدیک نقصان دہ ہوگا۔ لیکن ان مضامین کو اسی حد تک پڑھانا چاہئے جس حد تک وہ اسلامی علوم کے لیے زینے کا کام دیں۔ (۱۸)

(باقی آئندہ)

افتتاحیہ

اجلاس ششم مجلس عاملہ
رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند

منعقدہ: ۱۲؍ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ مطابق ۴؍دسمبر ۲۰۰۶ء بروز پیر

بمقام مہمان خانہ دارالعلوم دیوبند

از: حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا بڑا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہمیں صراط مستقیم پر گامزن رہنے کی توفیق ارزانی فرمائی اور اسلام کی حفاظت واشاعت، علوم اسلامیہ کی تعلیم وترویج کے مراکز اور دین مبین کے روشن میناروں یعنی مدارس اسلامیہ کی خدمت کی سعادت بخشی اور ان ہی دینی مدارس اور تعلیم گاہوں کے مسائل پر باہمی تبادلۂ خیالات، غور وخوض اور فیصلے کیلئے ہم سب کو یہاں جمع ہونے کا موقع میسر فرمایا، اس پرمسرت موقع پر بندہ اپنی اور خدام دارالعلوم دیوبند کی جانب سے آپ حضرات کا صمیم قلب سے خیر مقدم کرتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے جذباتِ تشکر پیش کرتا ہے کہ آپ حضرات نے رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم کی مجلس عاملہ کے اس اہم اجلاس میں شرکت کے لیے اپنا قیمتی وقت فارغ فرمایا اور زحمت سفر برداشت کرکے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ بندہ اس موقع پر معذرت خواہ بھی ہے کہ ہم خدام دارالعلوم کوشش کے باوجود آپ کا حق خدمت ادا نہ کرسکے۔

حضرات گرامی قدر! آپ حضرات بخوبی واقف ہیں کہ ہمارے اکابر رحمہم اللہ نے دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس اسلامیہ کے قیام کی تحریک بڑے صبر آزما اور پر آشوب حالات میں برپا کی تھی۔ ان مدارس کے قیام کے مقاصد میں اسلام کی حفاظت وصیانت، علوم کتاب وسنت کی تعلیم واشاعت، سرمایہ ملت کی نگہبانی، اسلام کا تحفظ ودفاع، باطل تحریکات اور فتنوں کی سرکوبی، ملت اسلامیہ کی دینی قیادت، ملک وملت کی تعمیر وترقی اور دینی وملّی ضروریات کی تکمیل کے لیے رجال کار اور مخلص افراد کی تیاری شامل تھی۔ ان مدارس اسلامیہ کی کوکھ سے قابل قدر اور لائق فخر فرزندوں اور سپوتوں نے جنم لیا اور ایسے نفوس قدسیہ تیار ہوئے جنھوں نے بے سروسامانی اور حالات کی تمام تر نامساعدت اور سنگینی کے باوجود ایسی زریں خدمات انجام دیں جو تاریخ کا روشن باب ہے۔ یہ حضرات علوم اسلامیہ میں رسوخ ومہارت، مسلک حق کے بارے میں تصلب اور وسعت نظر کے ساتھ مومنانہ فراست، الہامی بصیرت، خلوص وللّٰہیت، تواضع وفروتنی اور اتباع سنت کا پیکر تھے اور ملک وملت کی بے لوث خدمت کے جذبے سے سرشار تھے ـــ فضلاء مدارس کی انھی مختلف النوع، ہمہ جہت اور گوناگوں خدمات کا فیض ہے کہ ملک کے چپے چپے میں مدارس و مکاتب سرگرم ہیں۔ مسلمانوں میں اسلام اور تعلیمات اسلام سے وابستگی اور شیفتگی میں اضافہ ہورہا ہے۔ اسلامی بیداری فروغ پارہی ہے۔ قال اللہ وقال الرسول کی دل نواز صدائیں بلند ہورہی ہیں۔ دعوت وتبلیغ کی مساعی جمیلہ بارآور ہورہی ہیں، نوجوانوں میں دینی جذبات پروان چڑھ رہے ہیں۔ اور مدارس اسلامیہ اپنی بے سروسامانی اور بعض کمزوریوں کے باوجود نئی نسل کی آب یاری میں مصروف ہیں۔ دینی اقدار وشعائر کا احترام عوام میں بڑھ رہا ہے اور فرزندان توحید کے نام پر مرمٹنے کے لیے ہمہ وقت تیار نظر آتے ہیں۔

مدارس اسلامیہ کی اسی اہمیت اور ملک میں حقیقی اسلامی روح اور اسپرٹ کی بقاء وتحفظ کے سلسلہ میں مدارس اسلامیہ کے اسی روشن اور موثر ترین کردار اور اسلامیان ہند میں ان کی بے حد اثر انگیزی کی وجہ سے ہی اسلام اور مسلم دشمن طاقتیں دینی مدارس کو برداشت نہیں کرپارہی ہیں۔ سابقہ فرقہ پرست مرکزی حکومت کے دور میں مدارس اسلامیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کچھ زیادہ ہی کیا گیا لیکن اس کے بعد بھی حالات یکسر تبدیل نہیں ہوئے، بلکہ عالمی حالات سے حوصلہ پاکر ملک کی فرقہ پرست طاقتوں اور فسطائی عناصر نے مدارس کے خلاف اپنی منصوبہ بند مہم پھر تیز کردی ہے۔ تعلیم وتربیت کے ان مراکز اور محبّ وطن، جمہوریت پسند اور امن اور یک جہتی کو فروغ دینے

والے ان دینی مدارس کے قومی و دینی کردار و وقار کو مجروح کرنے کی مذموم کوششیں جاری ہیں۔ مفتیانِ کرام اور مدارس دینیہ سے وابستہ علماء کرام کے وقار و معتبریت کو داغ دار کرنے کے لیے ٹی وی چینل کا منصوبہ بند فتویٰ آپریشن اور سرکاری رپورٹ میں امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کو دہشت گردوں کا محفوظ مسکن و مرکز قرار دینا اس کی تازہ مثال ہے۔

پاسبانان ملت! موجودہ حالات پوری ملت اسلامیہ کے لیے عموماً اور مدارس اسلامیہ عربیہ کے لیے خصوصاً بڑے اندوہ ناک اور ہمت شکن ہیں۔ مدارس کی جدید کاری کا مطالبہ کیا جارہا ہے۔ نصاب تعلیم میں بنیادی تبدیلی اور عصری علوم کی شمولیت کا آوازہ پھر بلند کیا جانے لگا ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق مرکزی حکومت مرکزی مدرسہ بورڈ قائم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ یہ حقیقت میں مدارس اسلامیہ کی امداد اور علماء مدارس کی معاشی حالت کو سدھارنے کے خوبصورت عنوان کے بہانے قومی و دینی مدارس کو حکومت کے زیر کنٹرول لانے اور ان کے نظام اور نصاب میں اہم تبدیلیاں کرنے کی سمت ایک اہم قدم ہے، جس کے نہایت دوررس اثرات ہوسکتے ہیں، آج کی اس نشست میں مرکزی حکومت کی اس تجویز کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ بھی لینا ہے۔

علماء عالی وقار ! رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد میں مدارس اسلامیہ عربیہ کے معیار تعلیم و تربیت کو بہتر بنانا، باہمی ربط و اتحاد کو فروغ دینا، مدارس اسلامیہ کی بقاء و ترقی کے لیے مؤثر تدابیر اختیار کرنا اور مدارس اسلامیہ کو درپیش داخلی و خارجی مسائل و مشکلات کے ازالہ کی کوشش کرنا شامل تھا۔ بحمد اللہ رابطہ کے زیر اہتمام منعقد مدارس اسلامیہ کے متعدد اجتماعات میں مذکورہ موضوعات زیر بحث آئے، اجتماعی تبادلۂ خیال ہوا، اور مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کی سمت پیش رفت بھی ہوئی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ضرورت ہے کہ مدارس کے اندرونی نظام میں اصلاح کی جائے اور مقررہ نصب العین کو پیش نظر رکھتے ہوئے انتظامی، تعلیمی، تربیتی امور پر خصوصی توجہ دی جائے۔ خامیوں کو دور کیا جائے، نظام چست اور باضابطہ بنانے کے لیے ضابطۂ اخلاق کی پابندی بھی ضروری ہے۔ رابطہ کے دستور العمل میں اس کا ذکر موجود ہے آج کی مجلس میں ضابطہ اخلاق بھی طے کیا جانا ہے اور اس کے نفاذ کے بارے میں بھی غور وخوض ہونا ہے۔

اسی طرح مدارس اسلامیہ کے زیر انتظام دینی مکاتب کا قیام وقت کی اہم ضرورت ہے۔ بہت سے علاقے اب بھی ایسے ہیں جہاں بنیادی دینی تعلیم کا بندوبست نہیں کیا جاسکا ہے اور عیسائی

مشنریاں، قادیانی مبلغین اور دیگر باطل جماعتیں ان علاقوں میں سرگرم ہیں اور عوام کی جہالت اور تنگ دستی سے فائدہ اٹھا کر ان کو اپنے دام فریب میں الجھانے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔ اس صورت حال کے مقابلہ کے لیے زیادہ سے زیادہ مکاتب قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

دانشمندانِ ملت ! رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے کام میں وسعت پیدا کرنے اوراس کے اغراض ومقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے رابطہ کی مجلس عاملہ نے صوبائی شاخوں کے قیام اوران کو فعال بنانے پر اپنے سابقہ اجلاسوں میں زور دیا ہے۔ چنانچہ بعض صوبوں میں رابطہ کا کام بڑے منظّم انداز میں ہورہا ہے، لیکن کئی صوبوں میں ابھی تک کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی ہے۔ صوبائی ذمہ داران حضرات سے میری گزارش ہے کہ براہ کرم اس جانب خصوصی توجہ فرمائیں، صوبائی رابطہ کی تشکیل کرکے کام کو آگے بڑھایا جائے تاکہ رابطہ کے فوائد کو عام کیا جاسکے، صوبائی رابطہ کو فعال بنانے کے طریقۂ کار پر غور بھی ایجنڈے میں شامل ہے۔

مدارس اسلامیہ کے خلاف اسلام دشمن طاقتوں کی ریشہ دوانیوں میں اضافہ ہورہا ہے، دینی تعلیم کے یہ ادارے ان کی آنکھوں میں بری طرح کھٹک رہے ہیں، ان کی خواہش ہے کہ مدارس اسلامیہ کو ان کے نصب العین سے پھیر دیا جائے اوران کے نصاب اور نظام میں ایسی بنیادی تبدیلی کردی جائے کہ ان کا بنیادی مقصد فوت ہوجائے، ورنہ ان مدارس اسلامیہ کو دہشت گردی اور بنیاد پرستی کا مرکز قرار دے کر ان پر پابندی عائد کردی جائے۔ ان کرب ناک حالات میں ہم خدام مدارس کو پوری بیدار مغزی اور تیقظ کے ساتھ حالات کا جائزہ لے کر مدارس اسلامیہ کے تحفظ اور ترقی کے لیے جامع لائحۂ عمل تیار کرنا ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ اعلیٰ تعلیم کے مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران حضرات اپنے اپنے مدارس میں طلبہ عزیز کو فرق باطلہ کے تعاقب اور تردید کے لیے تربیت کا انتظام فرمائیں تاکہ طلبہ عزیز مسلک حق (دیوبندیت) کے خدوخال سے واقف ہوسکیں اور قرآن وسنت سے ماخوذ اس مسلک کے افکار وعقائد اوران کے دلائل پر ان کی وسیع نظر ہو اور وہ باطل فرقوں کا بھرپور تعاقب کرسکیں۔

مجلس عاملہ کے آج کے اجلاس میں ہم حضرت فدائے ملت امیر الہند مولانا سید اسعد مدنی صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی کمی شدت سے محسوس کررہے ہیں

(باقی صفحہ ۴۸ پر)

تیسری قسط:

قادیانیت کا مکروہ چہرہ!

کینیڈا سے قادیانیوں کے پندرہ سوالات اور ان کا جواب

از: مولانا سعید احمد جلال پوری
مدیر ماہنامہ بینات کراچی، پاکستان

سوال: ۷- ''حضرت محمد نے مرد کے مقابلے میں عورت کی گواہی آدھی کیوں قرار دی؟''

جواب: یہ اعتراض بھی قادیانیوں کی دنارت، سفاہت، جہالت اور لاعلمی بلکہ ان کی کوڑھ مغزی کا منہ بولتا ثبوت ہے، اس لئے کہ مرد کے مقابلہ میں عورت کی آدھی گواہی کا حکم، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے نہیں، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، دوسرے لفظوں میں یہی حکمِ الٰہی ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

”واستشهدوا شهيدين رجالكم، فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرى“ (البقرہ:۲۸۲)

ترجمہ: ''اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے، پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں، تا کہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلا دے اس کو وہ دوسری۔''

بلاشبہ اللہ تعالیٰ، مردوں اور عورتوں کے مالک و خالق ہیں اور وہ ان کی ظاہر و پوشیدہ صلاحیتوں، عقل وشعور اور حفظ واتقان کو خوب جانتے ہیں، جب انھوں نے ہی عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں آدھی قرار دی، تو کسی ایسے انسان کو، جو اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک مانتا ہو، یا کم از کم اس کی ذات کا قائل ہو، اس حکمِ الٰہی پر اعتراض کا کوئی حق نہیں، ہاں اگر کوئی منکرِ خدا اور دہریہ اس حکمِ الٰہی پر اعتراض کرتا تو ہم اس کا جواب دینے کے مکلّف ہوتے۔

چونکہ قادیانیوں اور ان کے روحانی آباؤ اجداد عیسائیوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان کا دعویٰ ہے، اس لئے ہم ان سے عرض کرنا چاہیں گے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی ذات پر اعتراض

کرنے کی بجائے براہ راست اللہ تعالیٰ اور قرآن کریم پر اعتراض کریں اور زندقہ کے شیش محل سے باہر نکل کر سامنے آئیں، تاکہ لوگوں کو بھی معلوم ہو کہ قادیانیوں کا اللہ کی ذات اور قرآن کریم پر کتنا ایمان ہے؟ اور ان کے دعویٰ ایمان واسلام کی کیا حقیقت ہے؟

بلا شبہ ہم یقین سے کہتے ہیں کہ قادیانی، زہر کا پیالہ پینا تو گوارا کرلیں گے مگر اس حقیقت کا اعتراف نہیں کرسکیں گے۔

رہی یہ بات کہ عورت کی گواہی مرد کی نسبت آدھی کیوں قرار دی گئی؟ اور اس کی کیا حکمت ومصلحت ہے؟ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اس کی حکمت ومصلحت قرآن وحدیث دونوں میں مذکور ہے، چنانچہ قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت میں صراحت ووضاحت کے ساتھ اس کی حکمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

”ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرىٰ“ (البقرہ:۲۸۲)

ترجمہ:”تاکہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلادے اس کو وہ دوسری۔“

جس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ خواتین عدالتی چکروں کی متحمل نہیں ہیں، ان کی اصلی وضع گھر گرہستی اور گھریلو ذمہ داریوں کے نبھانے کے لئے ہے، اس لئے عین ممکن ہے کہ جب عورت عدالت اور مجمع عام میں جائے تو گھبرا جائے اور گواہی کا پورا معاملہ یا اس کے کچھ اجزاء اُسے بھول جائیں، اس لئے حکم ہوا کہ اس کے ساتھ دوسری خاتون بطور معاون گواہ رکھی جائے تاکہ اگر وہ بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلادے۔

۲- عورتیں عام طور پر مردوں کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہیں، ان کے دماغ میں رطوبت کا مادہ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے ان سے نسیان بھی زیادہ واقع ہوتا ہے، اور وہ بھول بھی جاتی ہیں، یہ ایک انسانی فطرت ہے، وگرنہ بعض عورتیں بڑی ذہین بھی ہوتی ہیں، اور بعض عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے خاص صلاحیت بخشی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ بعض اوقات مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ذہین بھی ثابت ہوتی ہیں، تاہم عام فطرت اور اکثریت کے اعتبار سے چونکہ عورت کا مزاج ”اعصابی“ ہوتا ہے، اس لئے وہ اکثر بھول جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دماغی کیفیت ہی ایسی بنائی ہے، لہٰذا دو عورتوں کو ایک مرد کے ساتھ رکھا گیا ہے۔

۳- عورتوں کے نقصان عقل کی تائید آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے، جو آنحضرت ﷺ نے ایک خطبہ میں فرمایا:

”مـا رأيت من ناقصات عقل و دين اغلب لذى لب منكن، قالت: يا رسول الله

وما نقصان العقل والدين؟ قال: اما نقصان العقل فشهادة امرأتين تعدل شهادة رجل، فهذا نقصان العقل، وتمكث الليالی ما تصلی و تفطر فی رمضان فهذا نقصان الدين“
(صحیح مسلم،ص:٦،ج:١)

ترجمہ: ”میں نے عقل اور دین کے اعتبار سے ناقصات میں سے ایسا کوئی نہیں دیکھا، جو تم میں سے صاحبِ عقل کی عقل کو گم کردے؟ ایک خاتون نے عرض کیا: ہم ناقص عقل و دین کیوں ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: عورت کے نقصانِ عقل کی وجہ یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے، اور اس کے نقصانِ دین کی وجہ یہ ہے کہ وہ (مہینہ کے) کچھ دنوں اور راتوں میں نماز نہیں پڑھتی اور رمضان میں روزہ نہیں رکھتی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو عورتوں کی شہادت کا ایک مرد کے برابر ہونا تو حکم الٰہی ہی ہے، البتہ اس کی حکمت آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمائی کہ یہ ان کے نقصانِ عقل کی بنا پر ہے، دیکھا جائے تو آنحضرت ﷺ نے یہ وجہ اپنی طرف سے ارشاد نہیں فرمائی بلکہ دراصل یہ قرآن کریم کی آیت: ”ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرى“ کی تفسیر وتشریح ہے۔

لہٰذا جو لوگ عورت کی گواہی کے مسئلہ پر یہ اشکال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عورت کی گواہی مرد کے مقابلہ میں نصف کیوں ہے؟ دیکھا جائے تو وہ لوگ حکم الٰہی کا مذاق اڑاتے ہیں۔

شاید کچھ لوگوں کو یہ خیال ہو کہ خواتین ایسی نہیں ہوتیں، بلکہ ان کو سب باتیں خوب یاد رہتی ہیں، تو وہ گواہی کے معاملہ میں کیوں بھول سکتی ہیں؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ عموماً خواتین باتونی تو ہوتی ہیں، مگر وہ ادھر ادھر کی باتیں خوب یاد رکھتی ہیں، لیکن اصل بات اور معاملہ کی جزئیات بھول جاتی ہیں۔

۴- حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے عورت کی آدھی گواہی کے سلسلہ میں ایک عجیب وغریب نقطہ ارشاد فرمایا ہے، چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”عجب نہیں کہ مجموعہ بنی آدم میں اوّل سے لے کر آخر تک دو تہائی عورتیں اور ایک تہائی مرد ہوں اور حکم ازلی نے باعتبار جہت تقابل کے بھی وہی حساب ”للذكر مثل حظ الانثيين“ بٹھا کر ایک مرد کو دو عورتوں کے مقابل رکھا ہو۔“ (تفسیر معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ص: ۴۲۵، ج:۱)

چنانچہ اگر اوّل سے آخر تک کی مردوں اور عورتوں کی تعداد کا کسی کو استحضار نہ بھی ہو تو دنیا بھر میں موجودہ عورتوں کی تعداد سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے، اس لئے کہ آج دنیا بھر میں عورتیں

مردوں کی نسبت بہت ہی زیادہ ہیں، اور غالباً اسی تناسب سے اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کی گواہی اور وراثت کو ایک مرد کے برابر رکھا ہے۔

ان تصریحات وتفصیلات کی روشنی میں واضح ہوجانا چاہئے کہ مرد کی نسبت عورت کی آدھی گواہی کا معاملہ کسی مسلمان کا خانہ زاد یا آنحضرت ﷺ کا وضع فرمودہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اب جس کو اس پر اعتراض کرنا ہو، وہ ذاتِ الٰہی سے ٹکرلے اور اللہ تعالیٰ سے خود ہی نمٹے۔

سوال: ۸- ''والدین کی جائیداد سے عورت کو مرد کے مقابلے میں آدھا حصہ دینے کا کیوں حکم دیا؟ کیا عورت مرد کے مقابلے میں کمتر ہے؟''

جواب: یہاں بھی یہ امر پیش نظر رہنا چاہئے کہ میراث میں مرد کے مقابلہ میں عورت کو آدھا حصہ دینے کا حکم آنحضور ﷺ نے نہیں، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"للذکر مثل حظ الانثیین" (سورۂ نساء:۱۱)

ترجمہ: ''دو عورتوں کا حصہ ایک مرد کے برابر ہے۔''

بہر حال قادیانیوں کو تقسیم میراث کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ کی مخالفت اور انگریزوں کی حمایت میں مرد وزن کی مساوات کا راگ نہیں الاپنا چاہئے، بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی حق وانصاف پر مبنی تقسیم پر سکوت اختیار کرنا چاہئے۔ یہ تو شاید قادیانیوں کو بھی معلوم ہوگا کہ انگریزی دورِ اقتدار میں خود اسی متحدہ ہندوستان میں یہ قانون رائج ونافذ تھا کہ خواتین حقِ وراثت سے محروم تھیں، اور وراثت کی جائیداد اور زمین وغیرہ ان کے نام منتقل نہیں ہوسکتی تھی، دور کیوں جایئے! اسی انگریزی قانون کی وجہ سے میرے حقیقی دادا کی جائیداد سے میری پھوپھیاں تک محروم رہیں.... جنہیں ہندوستان کی آزادی اور قیامِ پاکستان کے بعد ان کا شرعی حصہ دیا جاسکا۔

کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ قادیانیوں اور ان کے سرپرست عیسائیوں کو کبھی اس ظالمانہ قانون کے خلاف آواز اٹھانے کی بھی توفیق ہوئی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں! تو انہیں اسلام کے عدل و انصاف پر مبنی قانون وراثت پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟

رہی یہ بات کہ اسلام نے خواتین کو وراثت میں مردوں کے مقابلہ میں آدھا حصہ کیوں دیا؟ اور اس کی کیا حکمت ہے؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ:

۱- مرد، عورتوں پر حاکم ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، چنانچہ اسی فضیلت کی وجہ سے مردوں کا حصہ دوہرا اور خواتین کا حصہ اکہرا ہے۔

۲-اسی کے ساتھ مردوں کے دوہرے حصہ کی وجہ یہ بھی ارشاد فرمائی گئی ہے کہ مرد، عورتوں پر خرچ کرتے ہیں، جبکہ عورتیں، مردوں پر خرچ نہیں کرتیں، اس لئے مردوں کو دوہرا دیا گیا، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

”الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللّٰہ بعضھم علی بعض و بما انفقوا من اموالھم.“ (النساء:۳۴)

ترجمہ: ”مرد حاکم ہیں عورتوں پر، اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کئے انھوں نے اپنے مال۔“

یعنی مرد، عورتوں پر حاکم ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مرد عورتوں پر ان کی ضرورتوں کے لئے مال خرچ کرتے ہیں۔

گویا مردوں کو دوہرا حصہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ مرد کے ذمہ خرچہ نفقہ ہے اور عورت کے ذمہ کسی قسم کا کوئی نفقہ خرچہ نہیں۔

اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو عورت کو جو کچھ ملتا ہے وہ صرف اور صرف اس کا ذاتی جیب خرچ ہے اور اس کی ضرورت سے کہیں زیادہ ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو عورت کو مرد کی نسبت کہیں زیادہ ملتا ہے، اس لئے کہ خاتون جب تک نابالغ ہو، اس کا نفقہ خرچہ باپ، دادا، چچا، بھائی وغیرہ یا ان میں سے کوئی نہ ہو تو بیت المال کے ذمہ ہے، جب وہ بالغ ہوجائے اور اس کا نکاح ہوجائے، تو اس کے تمام اخراجات شوہر کے ذمہ ہوجاتے ہیں، نکاح کے موقع پر اسے جو حق مہر ملتا ہے، وہ بھی خالص اس کا جیب خرچ ہوتا ہے، اسی طرح باپ کی وفات پر اسے اپنے بھائیوں کی نسبت جو نصف جائیداد ملتی ہے وہ بھی اس کی ذاتی ملکیت اور جیب خرچ ہوگی، اگر اولاد ہوجائے اور شوہر کا انتقال ہوجائے تو شوہر کی جائیداد سے ملنے والا آٹھواں حصہ بھی اس کی ذاتی ملکیت اور جیب خرچ ہی ہوگا، اسی طرح اگر کل کلاں بیٹے یا بیٹی کا انتقال ہوجائے تو ان کی جائیداد میں سے ملنے والا چھٹا حصہ بھی اس کی جیب ہی میں جائے گا، جبکہ اسلام نے عورت کو خرچ کرنے کا کہیں بھی ذمہ دار نہیں ٹھہرایا، اس کے مقابلہ میں مرد کی ذمہ داریوں اور اخراجات کو دیکھا جائے تو وہ ہر جگہ خرچ ہی خرچ کرتا ہوا نظر آتا ہے، مثلاً: نکاح کے وقت حق مہر کی ادائیگی، بیوی کا نان نفقہ، بوڑھے والدین، چھوٹی اولاد، چھوٹے اور یتیم بہن بھائیوں، سب کا نفقہ خرچہ اس کے ذمہ اور اس کے فرائض میں شامل ہے، اب عورت کے مقابلہ میں مرد کی میراث کے دوہرے حصہ پر اعتراض کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ نفع میں عورت ہے یا مرد؟ عورت و مرد کی مذکورہ بالا ذمہ داریوں کے اعتبار سے بتلایا

جائے کہ کس کا بینک بیلنس بڑھے گا؟ اور کون خرچ ہی خرچ کرتا رہے گا؟ کیا اب بھی اس تقسیم الٰہی پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق رہ جاتا ہے؟

سوال: ۹- ''حضرت محمد نے خود نو شادیاں کیں اور باقی مسلمانوں کو چار پر قناعت کرنے کا حکم دیا؟ اس میں کیا مصلحت تھی؟''

جواب: آنحضرت ﷺ کے تعدد ازواج کے مسئلہ پر عموماً یورپ کے مستشرقین اپنے تعصب، نادانی اور جہل مرکب کی وجہ سے اعتراض کیا کرتے ہیں، بلاشبہ قادیانیوں نے بھی ان سے مرعوب ہوکر ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ان کے اعتراض کو اپنے الفاظ میں نقل کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے، اگر قادیانیوں کا اسلام اور پیغمبر اسلام سے ذرہ بھر عقیدت کا تعلق ہوتا تو وہ ایسی دریدہ دہنی نہ کرتے، کیونکہ جس کو کسی سے محبت وعقیدت ہوتی ہے، اس کے بارہ میں وہ کسی اعتراض کے سننے کا روادار نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ جب قادیانیوں کے سامنے مرزا غلام احمد قادیانی کے اخلاق سوز کردار پر بات کی جائے تو وہ اس کے سننے کے روادار نہیں ہوتے اور اگر بالفرض ان کو مرزا جی کی کتب سے ایسے حقائق کے حوالے دکھائے جائیں تو وہ یہ کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں کہ حوالہ چیک کرنے کے بعد بات کریں گے۔

بہرحال قادیانیوں کے اشکال کہ: آنحضرت ﷺ کے لئے چار سے زائد شادیاں اور نکاح کیونکر جائز تھے؟ کے سلسلہ میں عرض ہے کہ:

الف: آنحضرت ﷺ کی ذات کو اپنی سطح پر رکھ کر نہیں سوچنا چاہئے کیونکہ آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے امتیازی اوصاف وخصوصیات سے نوازا تھا، اگر آج کفار و مستشرقین کو آنحضرت ﷺ کی شادیوں پر اعتراض ہے، تو ان کے آباؤ اجداد اور مشرکین مکہ کو آپ ﷺ کی بشریت، نبوت، معراج اور غیر معمولی کمالات پر بھی اعتراض تھا، لہٰذا ہمارے خیال میں آنحضرت ﷺ کی شادیوں پر اعتراض کرنے والے بھی دراصل آپ ﷺ کی ذات، صفات اور کمالات کے منکر ہیں، مگر براہ راست اس کا اظہار کرنے کی بجائے یورپی مستشرقین کی زبان میں عقلی احتمالات پیش کرکے اپنی معصومیت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔

ب: جہاں تک آنحضرت ﷺ کی چار سے زائد شادیوں کے جواز کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے نہایت عمدہ جواب لکھا ہے اور ممکنہ اشکالات کو خوبصورتی سے حل فرمایا ہے، لہٰذا اس عنوان پر اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت شہیدؒ ہی کا جواب نقل کردیا جائے، جو درج ذیل ہے:

''الغرض نکاح کے معاملہ میں بھی آپ ﷺ کی بہت سی خصوصیات تھیں اور بیک وقت چار سے زائد بیویوں کا جمع کرنا بھی آپ ﷺ کی انہی خصوصیات میں شامل ہے، جس کی تصریح خود قرآن مجید میں موجود ہے۔

حافظ سیوطیؒ ''خصائص کبریٰ'' میں لکھتے ہیں کہ: ''شریعت میں غلام کو صرف دو شادیوں کی اجازت ہے اور اس کے مقابلے میں آزاد آدمی کو چار شادیوں کی اجازت ہے، جب آزاد کو بمقابلہ غلام کے زیادہ شادیوں کی اجازت ہے، تو پھر آنحضرت ﷺ کو عام افرادِ امت سے زیادہ شادیوں کی کیوں اجازت نہ ہوتی۔''

متعدد انبیاء کرام علیہم السلام ایسے ہوئے ہیں جن کی چار سے زیادہ شادیاں تھیں، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں منقول ہے کہ ان کی سو بیویاں تھیں اور صحیح بخاری (ص:۳۹۵، ج:۱) میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو یا ننانوے بیویاں تھیں۔ بعض روایات میں کم وبیش تعداد بھی آئی ہے۔ فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے ان روایات میں تطبیق کی ہے اور وہب بن منبہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہاں تین سو بیویاں اور سات سو کنیزیں تھیں۔ (فتح الباری ص:۳۶۰)

بائبل میں اس کے برعکس یہ ذکر کیا گیا ہے کہ: سلیمانؑ کی سات سو بیویاں اور تین سو کنیزیں تھیں۔ (۱-سلاطین: ۱۱-۳)

ظاہر ہے کہ یہ حضرات ان تمام بیویوں کے حقوق ادا کرتے ہوں گے، اس لئے آنحضرت ﷺ کا نو ازواج مطہرات کے حقوق ادا کرنا ذرا بھی محل تعجب نہیں۔

آنحضرت ﷺ کی خصوصیات کے بارے میں یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو چالیس جنتی مردوں کی طاقت عطا کی گئی تھی اور ہر جنتی کو سو آدمیوں کی طاقت عطا کی جائے گی... اس حساب سے آنحضرت ﷺ میں چار ہزار مردوں کی طاقت تھی۔ (فتح الباری ص:۳۷۸)

جب امت کے ہر مریل سے مریل آدمی کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے تو آنحضرت ﷺ کے لئے، جن میں چار ہزار پہلوانوں کی طاقت ودیعت کی گئی تھی، کم از کم سولہ ہزار شادیوں کی اجازت ہونی چاہئے تھی۔

اس مسئلہ پر ایک دوسرے پہلو سے بھی غور کرنا چاہئے کہ ایک داعی اپنی دعوت مردوں کے حلقہ میں بلاتکلف پھیلا سکتا ہے، لیکن خواتین کے حلقہ میں براہ راست دعوت نہیں پھیلا سکتا، حق

تعالیٰ شانہ نے اس کا یہ انتظام فرمایا ہے کہ ہر شخص کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، جو جدید اصطلاح میں اس کی پرائیویٹ سیکریٹری کا کام دے سکیں اور خواتین کے حلقہ میں اس کی دعوت کو پھیلا سکیں... جب ایک امتی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے یہ انتظام فرمایا ہے، تو آنحضرت ﷺ جو قیامت تک تمام انسانیت کے نبی اور ہادی و مرشد تھے، قیامت تک پوری انسانیت کی سعادت جن کے قدموں سے وابستہ کردی گئی تھی، اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت و رحمت سے امت کی خواتین کی اصلاح و تربیت کے لئے خصوصی انتظام فرمایا ہو تو اس پر ذرا بھی تعجب نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ حکمت و ہدایت کا یہی تقاضا تھا۔

اسی کے ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی خلوت و جلوت کی پوری زندگی کتاب ہدایت تھی، آپ کی جلوت کے افعال و اقوال کو نقل کرنے والے تو ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین موجود تھے، لیکن آپ کی خلوت و تنہائی کے حالات امہات المومنین کے سوا اور کون نقل کرسکتا تھا؟ حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت ﷺ کی زندگی کے ان خفی اور پوشیدہ گوشوں کو نقل کرنے کے لئے متعدد ازواج مطہرات کا انتظام فرمادیا، جن کی بدولت سیرت طیبہ کے خفی سے خفی گوشے بھی امت کے سامنے آگئے اور آپ ﷺ کی خلوت و جلوت کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب بن گئی، جس کو ہر شخص ہر وقت ملاحظہ کرسکتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو کثرتِ ازواج اس لحاظ سے بھی معجزۂ نبوت ہے کہ مختلف مزاج اور مختلف قبائل کی متعدد خواتین آپ ﷺ کی نجی سے نجی زندگی کا شب و روز مشاہدہ کرتی ہیں اور وہ بیک زبان آپ ﷺ کے تقدس و طہارت، آپ ﷺ کی خشیت و تقویٰ، آپ ﷺ کے خلوص و للّٰہیت اور آپ ﷺ کے پیغمبرانہ اخلاق و اعمال کی شہادت دیتی ہیں، اگر خدانخواستہ آپ ﷺ کی نجی زندگی میں کوئی معمولی سا جھول اور کوئی ذرا سی بھی کجی ہوتی تو اتنی کثیر تعداد ازواج مطہراتؓ کی موجودگی میں وہ کبھی بھی مخفی نہیں رہ سکتی تھی۔ آپ ﷺ کی نجی زندگی کی پاکیزگی کی یہ ایسی شہادت ہے جو بجائے خود دلیل صداقت اور معجزۂ نبوت ہے... یہاں بطور نمونہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ایک فقرہ نقل کرتا ہوں، جس سے نجی زندگی میں آنحضرت ﷺ کے تقدس و طہارت اور پاکیزگی کا کچھ اندازہ ہوسکے گا، وہ فرماتی ہیں:

”میں نے کبھی آنحضرت ﷺ کا ستر نہیں دیکھا اور نہ آنحضرت ﷺ نے کبھی میرا ستر دیکھا۔“

کیا دنیا میں کوئی بیوی اپنے شوہر کے بارے میں یہ شہادت دے سکتی ہے کہ مدۃ العمر انھوں

نے ایک دوسرے کا ستر نہیں دیکھا اور کیا اس اعلیٰ ترین اخلاق اور شرم وحیا کا نبی کی ذات کے سوا کوئی نمونہ مل سکتا ہے؟

غور کیجئے! کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نجی زندگی کے ان ''خفی محاسن'' کو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سوا کون نقل کرسکتا ہے؟'' (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ص:۲۷۶، ج:۹)

سوال: ۱۰- ''شریعت محمدی میں مرد اگر تین بار طلاق کا لفظ ادا کرکے ازدواجی بندھن سے فوری آزادی حاصل کرسکتا ہے تو اسی طرح عورت کیوں نہیں کرسکتی؟''

جواب: مرد اور عورت کو اللہ تعالیٰ نے مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے، چنانچہ جسمانی ساخت سے لے کر ذہنی اور فکری استعداد تک وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے جسمانی ونفسیاتی پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کو اسی حساب سے تقسیم فرمایا ہے، مثلاً خواتین جسمانی اعتبار سے کمزور اور نرم ونازک ہوتی ہیں، جبکہ مرد، ان کے مقابلہ میں سخت جان اور محنت کش ہوتے ہیں، اس لئے شریعت مطہرہ اور اسلام نے خواتین کو بہت سی پُر مشقت ذمہ داریوں سے آزاد رکھا ہے، مثلاً: خواتین پر جمعہ نہیں، جماعت نہیں، جہاد نہیں، امامت نہیں، قیادت وسیادت نہیں، اور کسب معاش نہیں، اسی فطری اور جسمانی ساخت کے اعتبار سے خواتین کو ماہواری آتی ہے، ان کو حمل ٹھہرتا ہے، وہ بچے جنتی ہیں، بچوں کو دودھ پلاتی ہیں، ان کی طبیعت میں مرد کی نسبت زیادہ متاثر ہونے کی استعداد وصلاحیت ہے، ان میں برداشت کا مادہ کم ہوتا ہے، ان کو غصہ بہت جلدی آتا ہے اور وہ اپنی فطری ضرورت کی تکمیل کی خاطر ماں باپ کا گھر چھوڑ کر اپنے شریک حیات کے ساتھ خوش وخرم زندگی گزارتی ہیں، وغیرہ۔ اس لئے مرد کو، قوام وحاکم اور عورت کو اس کے ماتحت اور دست نگر کا درجہ دیا گیا۔

اسلام نے ان کی انہیں فطری صلاحیتوں کے باعث ان پر کم سے کم بوجھ ڈالا ہے، چنانچہ اسلام نے خواتین کو کسب معاش کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا، بلکہ اسے گھر کی ملکہ بنایا، گھر کی چاردیواری کے معاملات اس کے سپرد فرمائے اور گھر کی چاردیواری کے باہر تمام امور مرد کے ذمہ قرار دیئے، کسب معاش مرد کی ذمہ داری ہے، خاتون کے نان، نفقہ، لباس، پوشاک، علاج معالجہ اور سکونت و رہائش کا انتظام بھی مرد کے ذمہ قرار دیا، اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق وذمہ داریوں کی طرف متوجہ فرماکر فرمایا: ''ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجة'' (البقرہ:۲۲۸) یعنی ان خواتین کے حقوق بھی اسی طرح ہیں، جس طرح ان پر مردوں کے حقوق ہیں، معروف طریقہ کے ساتھ، اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ کی فضیلت حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مرد کو ہنگامۂ دنیا و بازار، تجارت، معاش، قیادت و سیادت اور حکومت و امامت کا ذمہ دار بنایا تو خواتین کو گھر میں رہتے ہوئے انسانیت سازی کا کارخانہ حوالہ کیا، اور فرمایا گیا:

”اذا صلت خمسها و صامت شهرها و احصنت فرجها و اطاعت بعلها فلتدخل من ایّ ابواب الجنة شاء ت.“ (مشکوٰۃ:۲۸۱)

یعنی عورت گھر میں رہ کر اپنے اللہ، رسول کے حقوق بجالائے، پانچ وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہوجائے۔

مگر یورپ کے مستشرقین کو عورت کا یہ اعزاز، عزت و عظمت اور سکون و اطمینان برداشت نہیں، انھوں نے عورت کے حقوق کی پاسداری اور علمبرداری کی آڑ میں اس کو گھر سے نکال کر ہنگامۂ بازار میں لاکھڑا کیا، انھوں نے اس بے چاری سے اپنی فطری خواہشات تو پوری کیں، مگر اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری سے جان چھڑانے کے لئے اسے بھی بازار و کارخانہ کی راہ دکھائی۔

چنانچہ انھوں نے اپنے انہی مذموم مقاصد کی تکمیل کی خاطر عورت کو یہ راہ سجھائی کہ جس طرح ہمارا دل بھر جاتا ہے اور ہم عورت کو ٹھوکر مار کر گھر سے نکال دیتے ہیں، اسی طرح اگر عورت کا دل بھر جائے تو وہ بھی اپنی مرضی سے کسی دوسرے مرد کی راہ دیکھے، دیکھا جائے تو اس ”خیرخواہی“ کے پیچھے بھی عورت دشمنی کا یہ راز ہے کہ کل کلاں عورت کے اس دھتکارے جانے پر ہمیں کوئی مورد الزام نہ ٹھہرائے اور ہم نت نئی خاتون کو اپنی خواہش اور ہوس کا نشانہ بناتے پھریں، اس سے اپنی جنسی ضرورت پوری کریں اور اسے چلتا کردیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپ و امریکہ میں زنا کو نکاح پر ترجیح دی جاتی ہے، کیونکہ نکاح کرنے کی صورت میں عورت، مرد کی جائیداد کی حق دار ہوجاتی ہے، جبکہ زناکاری کی غرض سے ایک ساتھ رہنے میں مرد پر عورت کے کوئی حقوق نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ اس کی جائیداد میں حصہ دار ہوتی ہے، لہٰذا مرد جب چاہے اس کو دھکا دے کر فارغ کرسکتا ہے۔ کیا کبھی عورت کے حقوق کی دہائی دینے والوں نے عورت کے اس بدترین استحصال کے خلاف بھی آواز اٹھائی؟

جبکہ اسلام نے میاں بیوی کے نکاح کے بندھن کو زندگی بھر کا بندھن قرار دیا ہے، پھر چونکہ اندیشہ تھا کہ عورت اپنی فطری کمزوری، جلد بازی سے اس بندھن کو توڑ کر در، در کی ٹھوکریں نہ کھائے، اس لئے فرمایا کہ اس معاہدۂ نکاح کے فسخ کا حق مرد کے پاس ہی رہنا چاہئے، چنانچہ اس

عقد کو باقی رکھنے کے لئے خصوصی ہدایات دی گئیں اور فرمایا گیا کہ اگر خدانخواستہ خواتین کی جانب سے ایسی کسی کمی کوتاہی کا مرحلہ درپیش ہو تو مردوں کو اس عقد کے توڑنے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ دونوں جانب کے بڑے بوڑھوں اور جانبین کے اکابر و بزرگوں کو بیچ میں ڈال کر اصلاح کی فکر کرنی چاہئے، چنانچہ فرمایا گیا:

”والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا، ان اللّٰہ کان علیًا کبیرًا، وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکمًا من اھلہ وحکما من اھلھا ان یریدا اصلاحاً یوفق اللہ بینھما، ان اللّٰہ کان علیماً خبیرا.“ (النساء:۳۵)

ترجمہ: ”اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو، تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی، بے شک اللہ ہے سب سے اوپر بڑا، اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں، تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے، اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرادیں تو اللہ موافقت کردے گا ان دونوں میں، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔“

ہاں اگر ایسی صورت پیدا ہوجائے کہ عورت کا اس مرد کے ساتھ گزارا نہ ہوسکے یا شوہر ظلم و تشدد پر اتر آئے تو ایسی صورت میں عورت کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ اسلامی عدالت یا اپنے خاندان کے بزرگوں کے ذریعہ اس ظالم سے گلوخلاصی کراسکتی ہے۔

اس ساری صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس میں عورت کی عزت، عصمت اور عظمت کے تحفظ کو یقینی بنانا مقصود ہے، کیونکہ نکاح کے بعد مرد کا تو کچھ نہیں جاتا، البتہ عورت کے لئے کئی قسم کی مشکلات کھڑی ہوسکتی ہیں، مثلاً: خود اس کا اپنا بے سہارا ہوجانا، اس کے بچوں کی پرورش، تعلیم، تربیت، ان کے مستقبل اور اس کے خاندان کی عزت و ناموس کا معاملہ وغیرہ، ایسے بے شمار مسائل، اس بندھن کے ٹوٹنے سے کھڑے ہوسکتے ہیں، اور ان تمام مسائل سے براہِ راست عورت ہی دوچار ہوتی ہے، اس لئے فرمایا گیا کہ عورت کو اس بندھن کے توڑنے کا اختیار نہ دیا جائے، تاکہ وہ ان مشکلات سے بچ جائے۔ بتلایا جائے کہ یہ عورت کی خیرخواہی ہے یا بدخواہی؟

مگر ناس ہو یورپ اور مستشرقین کی اندھی تقلید کا! کہ اس نے اپنے ذہنی غلاموں کو ایسا متاثر کیا کہ وہ ہر چیز کو ان کی عینک سے دیکھتے ہیں اور اسی زاویۂ نگاہ سے اسلامی احکام پر نقد و تنقید کے

نشتر چلاتے ہیں۔

بلاشبہ مرزائیوں کا یہ اعتراض بھی میرے خیال میں اپنے آقاؤں کی اندھی تقلید کا نتیجہ ہے، ورنہ شاید وہ بھی اپنی خواتین کو حق طلاق دینے کے روادار نہیں ہوں گے، اگر ایسا ہوتا تو ان کی عورتیں کب کی ان پر دوحرف بھیج کر جا چکی ہوتیں۔

آخر میں ہم خواتین کے حق طلاق کا مطالبہ کرنے والوں سے یہ بھی پوچھنا چاہیں گے کہ اگر آپ ہی کی طرح کا کوئی عقل مند کل کلاں یہ اعتراض کر بیٹھے کہ:

۱- اللہ میاں نے مردوں کی داڑھی بنائی ہے تو عورتوں کو اس سے کیوں محروم رکھا؟

۲- عورت اور مرد کے جنسی اعضا مختلف کیوں ہیں؟

۳- ہر دفعہ خواتین ہی بچے کیوں جنتی ہیں؟ مردوں کو اس سے مستثنیٰ کیوں رکھا گیا؟

۴- بچوں کو دودھ پلانے کی ذمہ داری عورت پر کیوں رکھی گئی؟

۵- عورت ہی کو حیض و نفاس کیوں آتا ہے؟

۶- حمل اور وضع حمل کی تکلیف مردوں کو کیوں نہیں دی گئی؟

تو بتلایا جائے کہ آپ ان سوالوں کا کیا جواب دیں گے؟ یہی ناں کہ یہ مردوں اور خواتین کی جسمانی ساخت اور فطری استعداد کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس کو جیسی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، اسی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ فرمایا ہے۔

بالکل اسی طرح خواتین کے حقِ طلاق کے مطالبہ کا بھی یہی جواب ہے کہ جس ذات نے عورت اور مرد کو پیدا فرمایا ہے، اس نے ان کی صلاحیتوں اور جسمانی ساخت کے پیش نظر ہر ایک کے فرائض بھی تقسیم فرمائے ہیں، اس لئے اگر مردوں کے بچے نہ جننے، حمل، وضع حمل، رضاعت اور ان کو حیض و نفاس نہ آنے پر قادیانیوں اور ان کے روحانی آباؤ اجداد یورپی مستشرقین کو کوئی اعتراض نہیں، تو مردوں کے حقِ طلاق پر انہیں کیونکر اعتراض ہے؟

❁ ❁ ❁

پانچویں قسط:

سلاطین ہند کے عہد میں غیرمسلموں کی شرعی حیثیت

از: محمد شمیم اختر قاسمی
ریسرچ اسکالر شعبہ سنی دینیات
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اورنگ زیب عالم گیر اور غیرمسلم

پورے مسلم حکمرانوں میں سب سے زیادہ تیموری حکمراں اورنگ زیب عالم گیر پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے اپنی حکومت میں شدت پسندی سے کام لے کر غیرمسلموں کو طرح طرح سے معتوب ورسوا کیا، حکومت کے عہدے ومناصب سے انھیں محروم رکھا اور نا منصفانہ طریقے سے جزیہ وصولی کا حکم جاری کیا۔ دراصل اس قسم کے اعتراضات والزامات اورنگ زیب پر اس لیے لگائے جاتے ہیں کہ اس نے بڑی کوشش کی کہ سلطنت کو اسلامی رنگ میں ڈھالا جائے اور سارے امور قوانین اسلام کی روشنی میں انجام پائیں۔ جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی رہا۔ تاہم یہ کام اس کے لیے آسان بھی نہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب ہندوستان میں اسلام کے تجدید واحیا کی بات نکلے گی تو اورنگ زیب کا نام نامی ضرور لیا جائے گا، جیسا کہ علامہ اقبال کی رائے بیان کرتے ہوئے علی میاں لکھتے ہیں:

> ”ہندوستان میں اسلام کے تجدید واحیاء کی بات نکلی تو علامہ نے مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور سلطان اورنگ زیب کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ اگر ان کا وجود اور ان کی جدوجہد نہ ہوتی تو ہندو تہذیب وفلسفہ اسلام کو اپنے اندر تحلیل کرلیتے۔“

غور کیا جاسکتا ہے کہ دہلی سلطنت کے زوال کے بعد باقاعدہ اور منظّم حکومت مغلوں کی قائم ہوئی۔ بابر اور ہمایوں کو ہندوستان میں اپنے قدم جمانے میں کافی وقت لگا، لیکن اکبر کو طویل مدت تک حکومت چلانے کا موقع ملا، مگر اس طویل مدت میں اس نے یا اس کے عہد میں اسلام کو جو

نقصان پہنچا اس کی تفصیل یہاں بیان نہیں کی جاسکتی۔ جہاں گیر بھی کسی حد تک اپنے باپ کے طور طریقے اور رسم ورواج پر عامل رہا۔ البتہ شاہ جہاں بادشاہ نے دین وشریعت کو فروغ دینے کی ضرور کوشش کی جس کی بناپر وہ حامی اسلام کہلانے کا مستحق ہوا۔ پھر بھی اس زمانے میں اسلام کو پوری تقویت نہ مل سکی، کہ اسی کسمپرسی کے عالم میں اورنگ زیب عالم گیر نے بڑی کوڑ دھور کے بعد سلطنت تیموری پر قابض ہوا۔ چوں کہ وہ شروع سے دینی مزاج کا حامل تھا، اس لیے اس نے سال جلوس کے دوسرے سال ہی اس نے جو فرمان صادر کیے اس میں زور دیا کہ ہندوستان میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہو اور لوگوں کی زندگی قرآنی تعلیمات سے ہم آہنگ۔

غیر مسلموں کے ذمے سلطنت کے عہدے اور مناصب

جہاں تک غیر مسلموں کو عہدے ومناصب سے الگ تھلگ رکھنے کی بات ہے تو اس سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ترک سلاطین کے یہاں نسلی وخاندانی برتری کا تصور بہت تھا اور خاص کر دہلی سلطنت کے ابتدائی زمانے میں حکومت کے مزاج میں یہ تصور کافی پایا جاتا تھا، یہاں تک کہ اس وقت انتظامیہ کے اہم عہدوں پر تقرری ہند نژاد مسلمانوں کے مقابلہ میں ترک نژاد اشخاص کو ترجیح دی جاتی تھی، اس لیے اس معاملہ میں ہندوؤں کے ساتھ جو طرز عمل اختیار کیا گیا اسے اس صورت حال کی روشنی میں دیکھا جانا چاہیے۔ باوجود اس کے اس عہد میں حکومت کی انتظامیہ میں شمولیت ہندوؤں کی بہت تھی۔ مثلاً محکمہ مالیات بالخصوص محاصل کے شعبہ میں ان کی بھرتی ہوتی رہی۔ خراج اور دوسرے محاصل کی تحصیل میں ہندو سردار اور مقامی روسا کا عمل دخل زیادہ رہا۔ خود سلطان فیروز شاہ کے محافظی دستہ میں راجپوت شامل تھے اور اس دستہ کا سربراہ بھی ایک ہندو تھا۔ اسی طرح سرکاری ٹکسال کا افسر اعلیٰ ہندو ہی تھا۔

یہ امر بھی ملحوظ رکھا جائے بعض سلاطین کے عہد میں زبان کی ناواقفیت کی بنا پر سلطنت کے عہدے اور سرکاری امور ان کے ذمے نہ سپرد کیے جانے کی ایک اہم وجہ تھی، لیکن مسلم بادشاہوں نے اس کی تلافی کے لیے غیر مسلموں کو فارسی زبان سکھانے کا بندوبست کیا تاکہ وہ ملازمتوں میں حصہ پاسکیں اور حکومت کے کاموں میں شریک ہوسکیں، جس کی واضح مثال یہ ہے کہ:

”جب سلطان سکندر لودھی نے دیکھا کہ اہل کاران وعہدیداران میں ہندو نظر نہیں آتے تو اس نے ہندوؤں کو ان کا یہ حق دینا چاہا، مگر معلوم ہوا کہ ہندو فارسی زبان

سے بالکل ناواقف ہیں اور اس وقت کوئی ہندو بھی ایسا نہیں جو فارسی جانتا ہو۔
چنانچہ سلطان نے سب سے پہلے برہمنوں کو بلاکر ان سے فارسی پڑھنے کو کہا۔ انھوں نے اپنی مذہبی ضروریات اور مصروفیتوں کے پیش نظر انکار کردیا۔ پھر چھتریوں سے کہا گیا، مگر یہ فوجی زندگی ہی کو اپنے لیے سربلندی کا ذریعہ خیال کرتے تھے۔ انھوں نے بھی اظہار مجبوری کیا، ویش قوم کے لوگ تجارت سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے، یہ خدمت مذہباً ان پر فرض تھی وہ بھی اس ذمہ داری کو قبول نہ کرسکے۔ اعلیٰ قوموں میں کایستھوں نے فارسی کو اپنے عروج کا ذریعہ بنایا اور فارسی پڑھنے پر آمادہ ہوئے۔
چنانچہ انھوں نے فارسی زبان سیکھ کر مسلمانوں کے عہد سلطنت میں زبردست عروج حاصل کیا اور بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہوئے۔ انھوں نے مسلمانوں کے علوم میں اتنی دستگاہ بہم پہنچائی کہ ان علوم کا درس دینے لگے۔

چوں کہ اس زمانہ تک سرکاری زبان فارسی ہوگئی تھی اور تمام دفتری کام اسی زبان میں انجام پاتے تھے، زبان کی ناواقفیت کی بنا پر غیر مسلم سرکاری عہدوں میں نہیں تھے۔ باوجود سلطان سکندر ایک کٹر مذہبی انسان ہونے کے اسے یہ فکر دامن گیر ہوئی ہندو بھی ہماری رعایا ہے اس لیے زبان دانی کے مسئلہ کو حل کرکے حکومت کے امور اور عہدے ان کے سپرد کیے جائیں۔ کسی بادشاہ وقت کو اپنی رعایا کے لیے اتنی فکر ہو اسے کیوں کر فراموش کیا جانا چاہیے۔

باوجود اس رواداری کے اسے بھی ایک کٹر اور سنی مسلمان کے خانہ میں شامل کرکے اسے ہندوکش اور متعصب قرار دیا جاتا ہے۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے مندر مسمار کیے جس کی حقیقت بس اتنی ہے کہ کروکشتر کے تالاب میں ہندو بکثرت جمع ہوتے اور اشنان کرتے۔ سکندر نے چاہا کہ اس کنڈ کو تباہ کرکے اس اجتماع کو روک دے۔ اس زمانہ کے ایک عالم مولانا عبداللہ سے استفسار کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ قدیم رسم کو روکنا اور قدیم بت خانہ کو منہدم کرنا بالکل جائز نہیں، سکندر کو یہ جواب پسند نہ آیا، وہ سمجھا کہ طرف داری کا فتویٰ ہے۔ اپنی برہمی کا اظہار کیا، لیکن انھوں نے بڑی جرأت اور صفائی سے فرمایا کہ میں نے شریعت کا مسئلہ بیان کردیا، اگر شریعت کی پروا نہیں تو پھر پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس جواب کے بعد سلطان نے اپنا ارادہ ترک کردیا۔

جزیہ توہین آمیز ٹیکس ہرگز نہیں:

جو حضرات صرف جزیہ کو لے کر یا انہدام منادر کو لے کر غیر مسلموں کی طرف داری کرتے

ہوئے یہ آواز بلند کرتے ہیں کہ ان افعال سے ہندومسلمانوں کی بہ نسبت پست اور کمزور ہوگئے ان کی سماجی اور معاشی حیثیت گھٹ گئی۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ محمد بن قاسم کے بعد سے ہندوستان میں جب تک مسلمانوں کی حکومت رہی صرف تین سلاطین کے عہد میں جزیہ کی وصولی ہوئی۔ ورنہ بیشتر سلاطین کے عہد میں ان پر سے یہ بوجھ جوشرعی نوعیت کا تھا ہٹارہا۔ باوجوداس کے تینوں سلاطین کے عہد میں غیرمسلم بخوشی جزیہ ادا کرتے رہے اوراپنے آپ کوکسی بھی طرح کا کمترشہری تصورنہ کرتے تھے۔ حالانکہ تمام سلاطین کے عہد میں شریعت کا دارومداراوراس کی افہام وتفہیم کی ساری ذمہ داری علماء کے ذمہ سپردتھی اور وہ شریعت کی روشنی میں اس کا نفاذ بھی کرنے کے خواہاں تھے، مگرکسی سلاطین نے سیاسی مفاد کے تحت اس کو نافذنہیں کیا۔ چنانچہ سیدصباح الدین کا یہ مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کیا جائے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس ٹیکس کی وصولی سے غیرمسلموں کوکیا کیا فوائدحاصل ہوئے:

''اسی طرح جزیہ کوایک توہین آمیزٹیکس سمجھا جاتا ہےاور یہ محض اس لیے کہ سلاطین اورعلماء دونوں نے اس کے روشن پہلو کی وضاحت پوری طرح نہیں کی۔ جزیہ دراصل اس ٹیکس کو کہتے ہیں جواسلامی حکومت اپنی غیرمسلم رعایا سے اس خدمت کے معاوضہ میں وصول کرتی ہے کہ وہ ان کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حقوق کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔اس ٹیکس کے لینے کے بعدحکومت ہرطرح سے ذمیوں کے جان ومال کی نگرانی کرتی تھی اورایسا کرنااس کے مذہبی فریضہ میں داخل تھااور جوحکومت ان کی حفاظت کرنے سے قاصر رہتی اس کو جزیہ وصول کرنے کا حق نہ ہوتا۔اس کے علاوہ کسی عالم یافقیہہ نے جزیہ کا کچھاور مطلب بتایا تو یہ اس کاقصور ہے،ٹیکس کانقص نہیں۔علماء کےاصرار کے باوجودمسلمانوں کے پورے دورحکومت میں صرف تین حکمرانوں علاء الدین خلجی، فیروزتغلق اوراورنگ زیب کےعہدمیں یہ ٹیکس لگایا گیااوراس زمانہ میں یہ ٹیکس اتنااشتعال انگیزنہیں سمجھا گیا جتنااب طرح طرح کی موشگافیوں سے سمجھا جانے لگا ہے۔اس زمانے کےتمام راجہ اس کواور ٹیکسوں کی طرح ایک ٹیکس سمجھ کرادا کردیا کرتے تھےاورکسی حال میں وہ اپنے کوکمتر درجہ کاشہری تسلیم نہیں کرتے تھے۔حالانکہ اب یہی بتایا جاتا ہے کہ ٹیکس غیرمسلموں کوسیاسی، اقتصادی، مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے ہٹاکرگری ہوئی حالات میں

رکھنے کے لیے عائد کیا جاتا تھا۔ مگر جب ہاتھ میں تلوار موجود تھی تو ایسا کرنے کے لیے ٹیکس لگانے کی کیا ضرورت تھی اور ایسے مورخ کی کوئی وقعت نہیں ہوگی جو یہ تسلیم نہ کرے کہ ملک گیری کے سلسلے میں مسلمانوں کی تلوار تو خوب چمکی لیکن ملک داری میں ان کی تلوار ہمیشہ نیام میں رہی، وہ میدان جنگ میں خواہ کیسی ہی خوں ریزی کرتے لیکن جنگ کے بعد معتدل روش اختیار کرلیتے؛ کیوں کہ ملک کی زراعت اور تجارت ہندوؤں کے ہاتھوں میں تھی، اونچے عہدے دار تو مسلمان ضرور تھے لیکن دوسرے تمام عہدے ہندوؤں کے ہاتھوں میں ہوتے تھے، کیوں کہ ان کی مدد کے بغیر حکومت کا ڈھانچہ کھڑا نہیں ہوسکتا تھا۔ اور اگر ان کے ساتھ روادارانہ سلوک نہ کیا جاتا تو تھوڑی تعداد اور قلیل فوج کی مدد سے ہر جگہ مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔''

❁ ❁ ❁

بقیہ افتتاحیہ اجلاس ششم مجلس عاملہ

مدارس اسلامیہ کے تحفظ وترقی اور ان کو درپیش مسائل ومشکلات کے حل سے حضرۃ المرحوم کو خاص دلچسپی تھی، مدارس کی تعمیر وترقی سے ان کو بے حد لگاؤ تھا۔ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کے قیام واستحکام میں ان کے نمایاں کردار کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے انھوں نے ملک وملت کی تعمیر وترقی، مسلمانان ہند کے حقوق کی بازیابی، امن وسلامتی کے استحکام، فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام، بابری مسجد کی بازیابی، مسلم پرسنل لاء کے تحفظ، مکاتب اسلامیہ کے قیام وانتظام، مدارس اسلامیہ اور اوقاف کی حفاظت وصیانت وغیرہ کے سلسلہ میں ان کی زریں خدمات کے لازوال نقوش تاریخ ہند کی پیشانی پر ہمیشہ ثبت رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات اور کارناموں کو قبول فرمائے، اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو مدارس اسلامیہ کے تحفظ اور تعمیر وترقی کے لیے باہمی مشورے اور غور وخوض کے ذریعہ مفید اور نتیجہ خیز فیصلوں تک پہنچنے اور درپیش مسائل ومشکلات کے ازالے کے لیے جامع لائحۂ عمل تیار کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

❁ ❁ ❁

نو فیصد شرح ترقی - نٹھاری - نوئیڈا اور انسانیت کی منزل

از: ڈاکٹر اجمل فاروقی
۱۵- گاندھی روڈ، دہرہ دون

''انڈیا چمک رہا ہے'' ہماری G. D. P. 9.2% کے حساب سے ترقی کررہی ہے۔ ہماری بچت 28% ہوگئی ہے، ۱۵- ارب ڈالر کا بیرونی سرمایہ ہمارے یہاں ایک سال میں لگایا گیا ہے۔ لوگ ہوٹلوں میں کھانا کھا رہے ہیں۔ ہوائی جہازوں میں سفر کرنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ کاروں، A. C. کی بکری بڑھ رہی ہے۔ اندرونِ ملک و بیرون ملک ہندوستانی سیاحوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ شاپنگ ہال کھل رہے ہیں۔ اگلے ۴۵ سالوں میں امید ہے کہ ہماری اقتصادیات امریکی اقتصادیات کے برابر ہوجائے گی۔

اور یہ بھی ہمارے یہاں ہی ہو رہا ہے

۱- نٹھاری میں جو شرمناک اور بربریت انگیز حرکت سامنے آئی ہے وہ نوئیڈا کے لئے نئی نہیں ہے۔ ۳۰/جولائی ۲۰۰۶ء کو ایک ٹی.وی چینل نے اسی نوئیڈا کے سرکاری اسپتال کے ڈاکٹر اجے اگروال، کروکشیتر کے ڈاکٹر سریش بھولا اور بریلی کے ڈاکٹر اروندا گروال کے خلاف اسٹنگ آپریشن کیا۔ خبر کے مطابق یہ لوگ کروکشیتر کے ایک پرائیویٹ اسپتال میں بچوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں بھیک مانگنے کے لائق بناتے تھے۔ ڈاکٹر اگروال پیسہ لے کر بھکاری بنانے کا کام کافی عرصہ سے کررہے تھے۔ (امراجالا ۳۰/۷/۲۰۰۶ء)

۲- پنجاب کے پٹیالہ ضلع کے پٹران قصبہ کے صاحب نرسنگ ہوم کے پیچھے ایک کنویں سے اسقاط شدہ جنین کی بڑی تعداد میں دستیابی ہوئی ہے۔ پچھلے تین ماہ میں ۳۵-۳۰ ضائع شدہ جنین وہاں پولیس کو مل چکے ہیں۔ نرسنگ ہوم کے مالک ڈاکٹر پریتم سنگھ اور اس کی بیوی ''امرجیت کور'' کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ آگے تفتیش جاری ہے۔ (11/8/06 Toi)

۳- ملک میں فروخت ہونے والی 20% دوائیں نقلی ہوتی ہیں۔ نقلی دواؤں کا کاروبار چار ہزار کروڑ تک پہنچ گیا ہے اس کے کاروبار میں ایک سال میں ایک ہزار کروڑ کی ترقی ہوئی ہے۔ یہ اطلاع انڈین چیمبرس آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے تازہ جائزہ میں بتائی گئی ہے۔ جائزہ میں بتایا گیا ہے کہ 60% نقلی دوائیں ایسی ہوتی ہیں جن میں دوا، بالکل ہی نہیں ہوتی 19% غلط اجزاء سے بنتی ہیں اور 16% میں ٹیلکم پاؤڈر جیسے نقصان دہ مواد شامل ہوتے ہیں۔ جبکہ اس جرم پر نگاہ رکھنے کے لئے گاؤں سے لیکر دہلی تک لاکھوں لوگوں کا سرکاری کوالیفائڈ انسپکٹروں اور ڈاکٹروں کا عملہ متعین ہے۔ (ہندوستان ایکسپریس ۱۱/۱/۲۰۰۷ء)

۴- سنامی کی ہلاکت خیزیوں نے بھی انسانی ضمیر کو جگانے میں کامیابی حاصل نہیں کی چنئی کے شمال میں ارناوور گاؤں میں وہاں کے ماہی گیروں نے پیٹ پالنے کیلئے اپنے جسم کے قیمتی اعضاء کی فروخت کا سہارا لیا کیونکہ ان کی آبادیوں کو سمندر نے نگل لیا تھا اور ان کے پاس ماہی گیری کیلئے کچھ بچا نہیں تھا۔ چنئی پولیس کے سربراہ نے بتایا کہ اب تک ۱۰۰ کے لگ بھگ معاملات سامنے آئے ہیں جن میں زیادہ تر خواتین ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انھوں نے ڈاکٹروں کے ساتھ مل کر یہ کام کیا۔ زیادہ تر نے اپنے گردے Rs 40000 - Rs 60000 میں فروخت کئے جبکہ ان سے وعدہ ایک لاکھ سے زیادہ کا کیا گیا تھا۔ (ٹائمس آف انڈیا ۱۷/۱/۲۰۰۷ء)

مذکورہ بالا دونوں رخ ہماری تصویر کے ہی ہیں۔ ایسا کیوں ہورہا ہے؟ کیا اس چمک اور کالکھ میں کوئی رشتہ ہے؟ ایک ہی سماج کی بیک وقت دو متضاد تصویریں بھیانک، انسانیت کش، انسانیت سوز تصویریں کیوں ابھر رہی ہیں۔ ایک ہی سماج میں ایک ہی طرح کے لوگ بڑے لوگ، اعلیٰ تعلیم یافتہ، ڈاکٹر، وکیل، سرمایہ دار، مذہبی رہنما، سرکاری عملہ کے اعلیٰ افسران۔ لگتا ہے گلوبلائزیشن، مادہ پرستی اور خدا بیزاری کے نتیجہ میں انسان ہونے کی سطح سے نیچے اتر آئے ہیں۔ دولت کی فراوانی ہمیں لگاتار نشہ میں بدمست کررہی ہے۔ اور ہر نو دولتیا اپنے آپ کو مختارِ کل سمجھ رہا ہے، قانون سے اوپر سمجھ رہا ہے اور بے خوف ہے۔ اس کی تصدیق اُن لاتعداد واقعات سے ہوتی ہے جب انتہائی قیمتی گاڑیوں میں بیٹھ دھنا سیٹھوں کے بالغ نابالغ بچے، فٹ پاتھ پر سوتے بدقسمت محروموں کو روندتے چلے جاتے ہیں یا سڑک پر چلتی دوشیزاؤں کو اٹھا کر گاڑیوں میں ڈال کر شہروں کی سڑکوں پر ان کی عزتوں اور عصمتوں سے کھلواڑ کرکے کاروں سے دھکا دے دیتے ہیں۔ جیسے کہ آج کے ۲۰۰ سال پہلے کے جاگیرداروں اور نوابوں کے لئے مشہور تھا وہ آج ترقی یافتہ ۲۱ ویں صدی میں پڑھے لکھے، ماڈرن، روشن خیال لوگ کررہے ہیں۔ اکیلی راجدھانی دہلی میں سال نو کی ہڑدنگ بازیوں کے موقع پر ۲۰۰

لوگوں کی گرفتاری گہرے ہوتے اندھیرے کا پتہ دیتی ہے اور یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ہم واقعی ترقی کررہے ہیں؟ کیا یہی خوشحالی ہے جس کا خواب ہم آنے والی نسلوں اور محروموں کو دکھاتے ہیں؟ کیا ہم واقعی مہذب ہورہے ہیں؟ جو کچھ ہورہا ہے اس کے اسباب و ذرائع پر بار بار بحث کی ضرورت ہے تاکہ ہم ہمارا سماج ہماری سرکار اور اس کے چلانے والے اپنے رویہ، خیالات اور ترجیحات پر نظر ثانی کریں۔ مگر آگے بڑھنے سے پہلے ایک تصویر کے ایک اور اہم رخ کی طرف بھی دھیان دلانا چاہتا ہوں جو فی الحال بحث کا موضوع نہیں ہے مگر بحث سے بہت زیادہ متعلق ہے وہ یہ کہ صرف معاشی اور اقتصادی لحاظ سے بھی یہ تیز رفتار ترقی کی پٹری ہر ایک پر مہربان نہیں ہے۔ یہ بھی ہندوستان کے خوشحال اور اعلیٰ متوسط طبقہ پر ہی مہربان ہے۔ باقی کو تو صرف جھوٹن Tichledown effct ہی مل رہا ہے۔ آج بھی ہندوستان کی آبادی کا 5% تقریباً خالی پیٹ سوتا ہے وہ Rs 19/= روزانہ پر زندگی گذارتا ہے اس سے بھی بڑی تعداد Rs 45/= سے کم کے زمرہ میں آتی ہے۔ کروڑوں بیمار، معذور بغیر علاج کے مرجاتے ہیں۔ لاکھوں حاملہ عورتیں دوران وضع حمل بغیر علاج کے مرجاتی ہیں۔ صرف ایک مہینہ میں ہندوستان کے ایک چھوٹے علاقہ میں دو کسان یومیہ (ماہانہ) ۶۲ کے حساب سے خودکشی کی۔ سال ۲۰۰۶ء میں ....میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد 1050 تھی، لاکھوں بچے اسکولوں کے بجائے سڑکوں، ڈھابوں، گھروں اور ریلوے اسٹیشنوں کا رخ کرتے ہیں تاکہ پیٹ کی آگ بجھاسکیں۔ اس چکاچوند کی مار میں کروڑوں بیٹیاں جہیز کی بڑھتی مانگ کو پورا نہ کرسکنے اور اتنی لمبی، گوری اور Stylish نہ ہوسکنے کی وجہ سے گھروں میں گھٹ رہی ہیں جتنی لمبی، گوری، Stylish ہندی، انگریزی کے اخباروں، T.V اور میگزینوں کے صفحات اور اسکرین پر دکھائی جاتی ہیں۔ ان محروم، بھوکے، مجبور انسانوں کے جذبات، خواہشات اور امنگوں کے بھڑکانے کے تمام لوازمات موجود ہیں مگر ان کی تسکین کا کوئی سامان نہیں اور ہے تو وہ متمول طبقہ کی جھوٹن اور اترن کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ایک تصویر اور بھی ہے جو اس چمک کو دھندلا کرتی ہے وہ ہے اس ترقی کی قیمت جو ہم بین الاقوامی سیاست میں ادا کررہے ہیں کہ وہ طاقتیں جو اس وقت دنیا کے نظام پر حاوی ہیں وہ ناراض نہ ہوجائیں اور ہم پالے میں صحیح طرف کھڑے ہوں یعنی مضبوط مقابل کے حمایتی کے طور پر تاکہ ہمیں بھی انعام ملے۔ چاہے وہ بیرونی سرمایہ کاری کا ٹکڑا ہو، بیرونی ٹھیکوں کا ٹکڑا ہو، ٹکنالوجی کی مدد کا ہو یا اپنی مارکیٹ کھولنے کا ٹکڑا ہو۔ ہم لگاتار اپنی خودداری، انا اور غیر جانبداری کا سودا کررہے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ خودداری، عزت نفس اور اخلاقی برتری مفت میں نہیں ملتی اس کی بھی قیمت ہوتی ہے جو ہمارے حکمراں

اعلیٰ ذات طبقہ کے مفاد میں نہیں ہے وہ حقیقت پسندی کے نام پر اسے خام خیالی، احمقوں کی جنت اور خوابوں کی دنیا بتاتا ہے کہ تعمیر چمک دمک (شاپنگ مال، پانچ ستارہ ہوٹل، سیاحوں سے بھرے عریاں مناظر والے ساحل سمندر) کے خالی پیٹ اخلاقیات اور گاندھی گیری کا نعرہ دینے میں مزہ کیا ہے؟

اب تھوڑا تفصیل سے اِس بحث کی طرف چلتے ہیں جو نفس مضمون سے سیدھا تعلق رکھتی ہے وہ یہ کہ ہمارے سماج میں خوشحالی، خوشی، عزت اور کامیابی کا معیار کیا ہے؟ ان معیارات کا موجد اور مبلغ کون ہے؟ کیا یہ معیارات انسانیت کی حقیقی ترقی، کامیابی اور خوشحالی کے ضامن ہیں؟ ان معیارات کے حصول کی قیمت انسانیت کیا ادا کررہی ہے یہ بھی دیکھا جانا ضروری ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ موجودہ گلا کاٹ تہذیب کی فکری بنیاد یوروپ نے عیسائیت کے جبر کے ردعمل کے طور پر رکھی اور یہ کہا کہ دنیا میں اصل چیز مادّہ اور عقل ہے۔ عقل کے بہترین استعمال سے مادّہ کو استعمال کرکے زیادہ سے زیادہ ترقی اور موج مستی حاصل کرنا ہی انسانیت کا مقصد ہے۔ اور جو بھی بات ماورائے مادّہ ہے یا غیر محسوس اور غیبی ہے وہ جھوٹ اور بکواس ہے وہ انسانوں کو بہکانے اور انہیں ٹلانے کا ڈھکوسلہ ہے۔ اسی فکر نے پورے مغرب میں پچھلے ۳۰۰ سالوں میں پرورش پائی اور اس کے نتیجہ میں مادی کامیابیاں حاصل کیں اور اِسی مغرب نے ان مادّی کامیابیوں کے بل بوتے پر مشرق کو غلام بنایا، ذہنی غلامی بھی اور جسمانی غلامی بھی۔ اور جیسا کہ یہ فطری قانون ہے کہ غالب اور طاقتور کی بات، عقیدہ، تہذیب سب کچھ غالب ہوتی ہے سو جسمانی آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی غلام قوموں کی ذہنی غلامی نہیں گئی کیوں کہ تب تک ظالم آقاؤں نے اپنی تعلیم اور تہذیب کے نظام کے ذریعہ ایک پوری نسل کو جو حکمراں اور غالب تھی اپنے قبضہ میں کرلیا۔ جس طبقہ کی سوچ اپنے آقاؤں سے بھی زیادہ گہری ہوئی اور محدود وخودغرضانہ تھی۔ اور کم وبیش یہی طبقہ آج تمام ترقی پذیر ممالک میں حکمراں اور غالب ہے۔

جو تہذیب یہ بتاتی ہے کہ یہ دنیا ہی سب کچھ ہے یہاں جو برت لیا، حاصل کرلیا، بھگت لیا وہ ہی تمہارا ہے اور کل کیا ہے کسی نے دیکھا ہے؟ تو لازماً ایسا ماحول پورے سماج میں بنتا ہے جو بچہ بچپن سے پیدا ہوتا ہے اس کے کان میں ہوش سنبھالنے کے بعد یہی آواز پڑتی ہے کہ خوب پڑھو خوب پیسہ کماؤ تو موج کروگے آرام سے رہوگے وہ آنکھ کھولتے ہی دیکھتا ہے کہ ہر طرف مادّہ کی چمک ہے۔ ممّی صبح تیار ہوکر آیا کو سمجھا کر بن ٹھن کر باہر چلی گئیں پاپا کو تو جانا ہی تھا واپسی میں ممّی خوبصورت کھلونا یا قیمتی چاکلیٹ لے آئیں اور پاپا بھی لے آئے اس طرح صبح سے شام تک کی قربت، ممتا اور محبت کے عوض چند مادّی چیزیں اس کی جھولی میں ڈال دی جاتی ہیں۔ اگر دولت مند ہے تو ایسا ہے اور اگر غریب ہے تو بھی ماں کی ممتا سے محروم اور بدلہ میں پیٹ بھر کھانا بھی نہیں ملتا، ٹافی، چاکلیٹ اور قیمتی کھلونے تو

دور کی باتیں ہیں۔ عمر کے بڑھنے کے ساتھ اسکول، کالج، معاشرہ، اخبار اور اسکول کے نصاب، ٹیچروں کی زندگیاں ان کی تہذیب اُن کی مخلصانہ مادہ پرستانہ ترجیحات اور تشویق کی روزانہ خوراکیں ہماری نئی نسل کو جو کچھ بنارہی ہیں وہی تصویریں ہیں جو ہم نٹھاری نوئیڈا B.M.W. کیس، جسیکالال قتل کیس، شوانی بھٹناگر قتل کیس، گردوں کی خرید وفروخت قابل ڈاکٹروں کے ذریعہ اور اعلیٰ طبقہ کی خواتین کے ذریعہ جسم فروشی اور جسم کی عریاں نمائش کے بدلے دولت حاصل کرنے کی شکل میں ظاہر ہورہی ہے۔ یہ دراصل پورے معاشرے کی پلائی گئی اُس گھٹی کا مجموعی اثر ہے جو پیدا ہونے سے بلوغت تک کثیر مقدار میں معاشرہ کا ہر ادارہ یا حصہ پلاتا ہے۔ جس میں خاص طور سے میڈیا اور نظامِ تعلیم وتفریح بہت اہم رول ادا کررہے ہیں۔ جو نئی نسل اور پوری نوع انسانی کو انسانی ساخت اور فطرت میں پوشیدہ شیطانی خواہشوں اور ترغیبات کو دن رات اکسارہی ہیں اور پھیلارہی ہیں۔ اللہ رب العالمین نے جس کا دعویٰ کیا ہے کہ ''کیا وہی نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا؟ (الملك)'' ہمیں اپنی ہدایت میں بتادیا ہے کہ ''لوگوں کے لئے مرغوباتِ نفس- عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، جانور اور زرعی زمینیں - بڑی خوش آئند بنادی گئی ہیں مگر یہ سب دنیا کی چندروزہ زندگی کے سامان ہیں حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ اللہ کے پاس ہے (آل عمران:۱۴) اس حقیقت کو اللہ رب العالمین نے مختلف انداز سے بار بار ذہن نشین کرایا ہے کہ دنیا کی زندگی کے بظاہر عیش وآرام انسانوں کو مرغوب اور محبوب بنادیئے گئے ہیں اور انسانوں میں اللہ نے شیطانی اور رحمانی دونوں صفات بھی رکھ دی ہیں۔ اور ان کی طرف رہنمائی کے لیے کتاب ورسول کا نظام پیدا کیا۔ اب انسانوں کا اصل امتحان یہ ہے کہ وہ اپنے اندر کون سی صفات اور کون سی راہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا: ''ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا ہم نے اسے راستہ دکھادیا خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔ (الدہر:۲)

شیطان انسانوں سے جھوٹے وعدہ کرتا ہے انہیں جھوٹی امیدیں دلاتا ہے۔ شیطان کے محبوب ترین ہتھکنڈوں کے بارے میں اللہ نے اپنے بندوں کو خبردار کیا ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اس کی پیروی کوئی کرے گا تو وہ اسے فحش اور بدی کا ہی حکم دے گا۔'' (النور:۲۱) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو یہ شراب، جوا، آستانے، پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو امید ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت اور دشمنی ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد اور نماز سے روک دے پھر کیا تم اِن چیزوں سے باز رہوگے؟ (المائدہ:۹۱)

جب یہ تعلیمی نظام یہ ذرائع ابلاغ یہ معاشرہ اس کی تہذیب، ادب سب کچھ انسان کو دن رات زیادہ سے زیادہ صارف Consumer بنانے پر آمادہ ہے۔ اس معاشرہ میں اسی کی قیمت ہے جو زیادہ قوت خرید رکھتا ہے اور اس کا اظہار کرسکتا ہے۔ اس معاشرہ میں دن رات گلا کاٹ مقابلہ پیدا کیا جارہا ہے کہ ''اس کی قمیص میری قمیص سے اُجلی کیوں'' تو انسان کو سکون کیسے ملے گا؟ دنیا میں عیش وآرام کے جتنے مظاہر ہیں اچھا لباس، اچھا گھر، سواری، خورد ونوش، سالانہ تفریحی سفر یہی کل کائنات ہے زندگی کا مقصد یہی ہے۔ انہیں کے حصول میں آج انسان گود سے گور تک پریشان ہے۔ اور سکون کسی کو نہیں ہے۔ آج خوشحالی اور ترقی کا پیمانہ کیا ہے؟ معاشرہ میں بجلی کی کھپت فی کس کتنی ہے؟ پٹرول کی فی کس کھپت کتنی ہے، پانی کی فی کس کھپت کتنی ہے؟ تیل گھی کی پروٹین کی وغیرہ وغیرہ کھپت کتنی ہے؟

اس لئے آج معاشرہ ہر چیز کو مادّہ سے تولتا ہے کوئی بھی کام کرنے میں یا نہ کرنے میں کیا مادی فائدہ یا نقصان ہوگا یہ محرک ہمارے ہر کام کے پیچھے ہوتا ہے۔ بوڑھے ماں، باپ، رشتہ دار، ساس سسر کی خدمت کیوں کی جائے؟ جائیداد تو ملنی ہی ہے۔ معذور، مجبور، غریب پر دولت کیوں لگائی جائے؟ لندن سے خبر ہے کہ وہاں نگہداشت بزرگاں اب ایک انڈسٹری بن گئی ہے اور اس انڈسٹری کے بڑے حصہ کو بنگلور میں منتقل کردیا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں کم خرچ پر زیادہ خدمات مل جاتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اہل خانہ زندہ ہیں مگر ان کے پاس وقت نہیں ہے کہ وہ ان کے لئے وقت فارغ کرسکیں۔ اس تہذیب نے ہم کو یہی بتایا ہے کہ زندگی موج مستی کا نام ہے جس طرح حاصل کرسکتے ہو کرو۔ اور موج مستی کے لیے پیسہ چاہیے وسائل چاہئیں اور وہ صرف جائز ذرائع سے نہیں حاصل ہوسکتے۔ اس لئے سماج میں بدعنوانی، رشوت خوری، لوٹ مار، جھوٹ، فریب، اغوا اور نہ جانے کیا کیا فروغ پاتا ہے۔ اور اس دریا میں ہر ایک غوطہ لگانے کو مجبور ہوتا ہے کیونکہ سماج میں نکوّ بننے کا دباؤ اتنا زبردست ہوتا ہے کہ اسے سماج کی اکثریت برداشت نہ کرکے اسی ریلہ میں بہہ کر شیطانی ایجنڈہ کا شکار ہوجاتی ہے۔ آج کل خاص طور سے .T.V نے جس طرح انسانی فطرت میں پوشیدہ شیطانیت کو ابھارنے کا سیاہ کارنامہ انجام دیا ہے اسے ہر کس وناکس محسوس کررہا ہے۔ خاص طور سے اشتہاروں اور سیریل نے انسانوں کو ارذل ترین مخلوق بنانے اور اشیاء وسیکس کا غلام بنانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ جہاں ۶۰ سالوں میں صاف پانی، بیت الخلاء، اسکول، ہسپتال اور سواری کی سہولت نہیں پہنچی ہیں وہاں شیطان کے ایجنٹوں نے جنسی اور مادّی بھوک بڑھانے کے لئے .T.V صرف ۱۵ر سالوں میں پہاڑ، میدان، جنگل، گاؤں، جھگی جھونپڑی ہر جگہ پہنچادیئے۔ اور اس طرح انسانوں کی دوڑ دھوپ، ترجیحات، پسند ناپسند، اچھا برا، مقصد زندگی سب کو

اپنے مطابق ڈھال دیا ہے۔اورانسان بیچارہ بری طرح پس رہا ہے۔وہ اپنے ضمیر کو کچل رہا ہے وہ اپنی فطرت سے بغاوت کررہا ہے وہ انسان کے اعلیٰ مقام سے گر کر حیوانوں کی طرح اپنی خواہشات کو دوسروں کی قسمت پر پورا کررہا ہے۔اور کہہ رہا ہے کہ انسانیت ترقی کررہی ہے،خوشحالی آرہی ہے۔ حالانکہ پورا انسانی معاشرہ اس کی قیمت ادا کررہا ہے۔کہیں بھی سکون چین واطمینان نہیں ہے۔جو ممالک سب سے زیادہ امیر ہیں''خوش'' رہنے کے عالمی سروے میں اُن کا مقام بہت نیچے ہے۔کم دولت مند ممالک کے لوگ زیادہ خوش ہیں۔پھر ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ ہماری یہ موج مستیاں کب تک کے لیے ہیں؟ کیا ہم ہمیشہ جوان رہیں گے؟ اگر رہیں گے تو بھی کیا ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ اِن سب سوالات کے جوابات نفی میں ہیں دولت، جوانی، بنگلہ، کار، عیش عیاشی سب وقتی ہیں موت سب کا خاتمہ کردے گی پھر عارضی وقتی موج مستی کے لیے اور وہ بھی جو پورے انسانی معاشرہ کو نہیں مل سکتی بلکہ اکثریت کی قیمت پر معمولی اقلیت ہی موج مستی کو حاصل کرسکتی ہے تو انسانیت کیوں نہ اپنے لئے اعلیٰ اور لامتناہی کامیابی کے حصول کو اپنا مقصد زندگی بنائے۔تاکہ دنیا میں سبھی انسان پرامن پرسکون زندگی گذار سکیں۔وہ زندگی جو ظلم، حرص، حوس، لالچ، حسد سے پاک ہو۔جس میں اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے لیے بھی احترام اور انصاف موجود ہو۔اللہ رب العالمین نے اس کے حصول کے لیے انسانوں کو دعوت دی ہے''خوب جان لو یہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی ہے۔اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال واولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات دیکھ کر کاشت کار خوش ہوگئے پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور خوشنودی ہے۔دنیا کی زندگی ایک دھوکہ کے سوا کچھ نہیں۔دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین جیسی ہے۔ جو کہ مہیا کی گئی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔(الحدید: ۲۱-۲۰) کیونکہ دنیا کی زندگی اور یہاں کے وسائل محدود ہیں اور انسان کی آرزوئیں اور خواہشیں لامحدود ہیں ان کو پورا کرنے کے لیے ایسا جہاں درکار ہے جہاں زمان، مکان اور وسائل بھی لامحدود ہوں۔وہ جہانِ آخرت ہی جس کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کا شوق اللہ نے یوں دلایا ہے''جو لوگ دوسروں پر بازی لے جانا چاہتے ہیں وہ اس چیز کو حاصل کرنے میں بازی لے جانے کی کوشش کریں۔''(المطففین:۲۶)

❁ ❁ ❁

حیدرآباد کی مکہ مسجد میں بم دھماکہ

مہتمم دارالعلوم مولانا مرغوب الرحمن کا مذمتی بیان

دیوبند: ۱۹؍مئی ۲۰۰۷ء

حیدرآباد میں ۱۸؍مئی بروز جمعہ چار مینار علاقے کی تاریخی مکہ مسجد میں ہوئے بم دھماکے میں جولوگ جاں بحق ہوئے یا جو زخمی ہوئے اور جن میں بچے بھی شامل ہیں اس پر اپنی شدید تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن نے ملک میں فرقہ وارانہ امن کو شدید نقصانات پہنچانے والی اس حکمت عملی کی مذمت کی اور اس کو منصوبہ بند سازش کا ایک حصہ بتایا۔ آپ نے مرحومین کے خاندان والوں سے اظہار تعزیت کیا اور زخمی افراد سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے ان کے لئے دعائے صحت کی۔ آپ نے حکومت سے اپیل کی کہ مرحومین اور زخمی افراد کے خاندان والوں کو معقول معاوضہ ادا کیا جائے۔

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے فرمایا سال گذشتہ ستمبر میں مہاراشٹر کے حساس شہر مالیگاؤں کی جامع مسجد میں بم دھماکے ہوئے تھے اس سے بھی پہلے مہاراشٹر میں جالنا اور پربھنی قصبات میں مسجدوں کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ پچھلے سال اپریل میں دلی کے علاقہ جامع مسجد میں بم دھماکہ یہ سب ایک منصوبہ بند سازش کا ہی حصہ ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ملک میں لاء اینڈ آرڈر کے بغیر ترقی کا خواب کیسے پورا ہوگا اور حکومت کیوں آنکھوں پر پٹی چڑھائے ہوئے ہے۔

مولانا مرغوب الرحمٰن نے اپنے بیان میں حکومت سے کہا کہ وہ محض دلی، مغربی بنگال، ممبئی میں ہائی الرٹ پر اکتفا نہ کرے بلکہ تفتیش کے بعد ان سازشوں کا پردہ فاش کرے اور اس روایتی اندازِ فکر سے گریز کرے کہ اس کے درپردہ محض دہشت گرد تنظیموں کا ہاتھ ہے۔

جاری کردہ: دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند